اسلامیات

برائے پی۔ایم۔ایس۔سی۔ایس۔ایس و دیگر امتحانات

www.cssexampoint.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝

THE CSS POINT
Yes We Can Do It!

انسانی مسائل کے حل میں وحی کا کردار

اس سے پہلے ہم نے کچھ سوالات کا ذکر کیا ہے کہ جو کائنات' انسان' دیگر مخلوقات اور زندگی' موت اور بعد الموت سے متعلق ہیں۔ ہم نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ فطری ذرائع علم ان کے جواب سے قاصر ہیں۔ اب ہم مختصر انداز میں یہ جائزہ لیتے ہیں کہ وحی ان سوالات کا کس انداز میں جواب دیتی ہے۔ اس سلسلہ میں اگرچہ بے شمار آیات قرآنیہ پیش کی جا سکتی ہیں لیکن اختصار کی غرض سے ہم صرف چند آیات پر اکتفا کرتے ہیں۔

کائنات:

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ۝

ترجمہ: وہ اللہ ہی ہے کہ جس نے آسمانوں کو ایسے ستونوں کے بغیر قائم کیا کہ جو تم کو نظر آتے ہوں پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا اور آفتاب و ماہتاب کو مسخر کیا۔ ہر چیز ایک وقت مقرر تک کے لیے چل رہی ہے۔ وہ کام کی تدبیر کرتا ہے' نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے شاید کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔ (سورۃ الرعد آیت نمبر 2)

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ۝

ترجمہ: کیا وہ لوگ جنہوں نے (نبی ﷺ کی بات ماننے سے) انکار کر دیا ہے غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں جدا کیا اور پانی سے ہر چیز کو زندہ کیا۔ کیا وہ (ہماری اس خلاقی کو) نہیں مانتے۔ (سورۃ الانبیاء آیت نمبر 30)

قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ۝

ترجمہ: کہا "اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ فرماتا ہے تو بس کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔" (سورۃ آل عمران آیت نمبر 47)

وَلَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّیْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ۝ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ

ترجمہ: اسی کا ہے وہ سب کچھ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور ہمیشہ خالصاً اسی کی بندگی ہے۔ پھر کیا اللہ کو چھوڑ کر تم کسی اور سے ڈرو گے؟ تم کو جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ (سورۃ النحل آیات نمبر 52' 53)

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا

THE CSS POINT
Yes We Can Do It!

عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ○ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَّقُونَ ○

ترجمہ: وہی ہے جس نے سورج کو اجیالا بنایا اور چاند کو چمک دی اور چاند (کے گھٹنے بڑھنے) کی منزلیں ٹھیک ٹھیک مقرر کر دیں تاکہ تم برسوں کی گنتی کے حساب معلوم کرو۔ اللہ نے یہ سب کچھ (کھیل کے طور پر نہیں بلکہ) بامقصد ہی بنایا ہے۔ وہ اپنی نشانیوں کو کھول کھول کر پیش کرتا ہے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ یقیناً رات اور دن کے الٹ پھیر میں اور ہر اس چیز میں جو اللہ نے زمین اور آسمانوں میں پیدا کی ہے نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں۔ (سورۃ یونس آیات نمبر 5'6)

انسان:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ○

ترجمہ: (یہ تو ہماری عنایت ہے کہ) ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 70)

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا ط

ترجمہ: وہی ہے کہ جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر (تمہارے لیے زندگی کی) ایک مدت مقرر کر دی۔ (سورۃ الانعام آیت نمبر 2)

أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا ○

ترجمہ: کیا تو کفر کرتا ہے اس ذات سے کہ جس نے تجھے مٹی سے اور پھر نطفے سے پیدا کیا اور تجھے ایک پورا آدمی بنا دیا۔ (سورۃ الکہف آیت نمبر 37)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا

ترجمہ: لوگو! اگر تمہیں زندگی بعد موت کے بارے میں کچھ شک ہے تو (تمہیں معلوم ہو کہ) ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے پھر نطفے سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی۔ (یہ ہم اس لیے بتا رہے ہیں) تاکہ تم پر حقیقت واضح کریں ہم جس (نطفے) کو چاہتے ہیں ایک وقت خاص تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں۔ (سورۃ الحج آیت نمبر 5)

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ○

ترجمہ: میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی (کام کے) لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

THE CSS POINT
Yes We Can Do It!

(سورۃ الذٰریٰت آیت نمبر 56)

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ

ترجمہ: اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ "میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔" (سورۃ البقرہ آیت نمبر 30)

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ: پھر ان کے بعد ہم نے تم کو زمین میں ان کی جگہ دی تا کہ دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو۔ (سورۃ یونس آیت نمبر 14)

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝

ترجمہ: کیا پھر تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف کبھی پلٹنا ہی نہیں ہے؟ (سورۃ المومنون آیت نمبر 115)

دیگر مخلوقات:

وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّ النَّخْلَ وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَ الزَّیْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ غَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ صلے وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ۚ

ترجمہ: اور وہ اللہ ہی ہے جس نے طرح طرح کے باغ اور تاکستان اور نخلستان پیدا کئے، کھیتیاں اگائیں جن سے قسم قسم کے ماکولات حاصل ہوتے ہیں زیتون اور انار کے درخت پیدا کیے جو ایک دوسرے کے مشابہ اور غیر مشابہ ہیں۔ کھاؤ ان کی پیداوار جب کہ یہ پھلیں اور اس کا حق ادا کرو جب ان کی فصل کاٹو اور حد سے نہ گزرو بے شک اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر وہی ہے جس نے مویشیوں میں سے وہ جانور بھی پیدا کیے جن سے بار برداری کا کام لیا جاتا ہے اور وہ بھی جو زمین سے لگے ہوئے ہیں۔ کھاؤ ان چیزوں میں سے جو اللہ نے تمہیں بخشی ہیں اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ یہ آٹھ نر و مادہ ہیں۔ (سورۃ الانعام آیات نمبر 141'142'143)

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝

ترجمہ: ان سے پوچھو تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں سے کوئی ہے جو تخلیق کی ابتدا بھی کرتا ہو اور پھر اس کا اعادہ بھی کرے؟ کہو وہ صرف اللہ ہے جو تخلیق کی ابتداء بھی کرتا ہے اور اس کا اعادہ بھی۔ پھر تم یہ کس الٹی راہ پر چلائے جا رہے ہو؟ (سورۃ یونس آیت نمبر 34)

THE CSS POINT
Yes We Can Do It!

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط

ترجمہ: اس نے زمین اور آسمانوں کی ساری چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا سب کچھ اپنے پاس سے۔ (سورۃ الجاثیہ آیت نمبر 13)

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ق

ترجمہ: وہی ہے کہ جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 29)

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج

ترجمہ: اللہ کی تسبیح کی ہے ہر اس چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ (سورۃ الحدید آیت نمبر 1)

زندگی، موت اور بعد الموت:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ط

ترجمہ: جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔ (سورۃ الحدید آیت نمبر 20)

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ o

ترجمہ: اور دنیا کی زندگی ایک دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔ (سورۃ الحدید آیت نمبر 20)

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ o

ترجمہ: ان سے کہو "موت کا وہ فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تم کو پورا کا پورا اپنے قبضے میں لے لے گا اور پھر تم اپنے رب کی طرف پلٹا لائے جاؤ گے۔" (سورۃ السجدہ آیت نمبر 11)

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ط ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ o

ترجمہ: اور وہ موت کی جان کنی حق کے ساتھ آ پہنچی یہ وہی چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔ (سورۃ ق آیت نمبر 19)

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ o لا عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ o لا تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ o ج يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ o لا خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ط وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ o ط وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ o لا عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ o

ترجمہ: بے شک نیک لوگ بڑے مزے میں ہوں گے۔ اونچی مسندوں پر بیٹھے نظارے کر رہے ہوں گے۔ ان کے چہروں پر تم خوشحالی کی رونق محسوس کرو گے۔ ان کو نفیس ترین سر بند شراب پلائی جائے گی جس پر مشک کی مہر لگی ہوگی اور جو لوگ دوسروں پر بازی لے جانا چاہتے ہیں وہ اس (چیز کو حاصل کرنے) میں بازی لے جانے کی کوشش

کریں۔ اس شراب میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ یہ ایک چشمہ ہے جس سے مقرب لوگ پئیں گے۔ (سورۃ المطففین آیات نمبر 22 تا 28)

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝

ترجمہ: یقیناً نیک لوگ مزے میں ہوں گے اور بے شک بدکار لوگ جہنم میں جائیں گے۔ (سورۃ الانفطار آیت نمبر 13، 14)

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً ۝ تُسْقَىٰ مِنْ عَيْنٍ آنِيَةٍ ۝ لَّيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِن ضَرِيعٍ ۝ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِن جُوعٍ ۝

ترجمہ: کچھ چہرے اس روز خوفزدہ ہوں گے' سخت مشقت کر رہے ہوں گے' تھکے جاتے ہوں گے' شدید آگ میں جھلس رہے ہوں گے' کھولتے ہوئے چشمے کا پانی انہیں پینے کو دیا جائے گا' خاردار سوکھی گھاس کے سوا کوئی کھانا ان کے لیے نہ ہوگا جو نہ موٹا کرے اور نہ بھوک مٹائے۔ (سورۃ الغاشیہ آیت نمبر 2 تا 7)

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝

ترجمہ: کچھ چہرے اس روز بارونق ہوں گے۔ (سورۃ الغاشیہ آیت نمبر 8)

☆

دورِ حاضر میں مذہب کی ضرورت و اہمیت

مذہب کی ضرورت و اہمیت ہر دور' ہر علاقہ اور ہر طبقہ کے لیے مسلم رہی ہے۔ مذہب کی ضرورت و اہمیت کئی لحاظ سے ہے لیکن مختصر طور پر اسے ہم تین نکات کے تحت بیان کر سکتے ہیں:

1. مذہب ایک فطری خواہش ہے۔
2. مذہب ایک روحانی اقتضاء ہے۔
3. مذہب ایک معاشرتی ضرورت ہے۔

اب ہم ان میں سے ہر ایک کی قدرے وضاحت کرتے ہیں۔

1. مذہب ایک فطری خواہش:

سابق میں ہم نے مذہب کی یہ تعریف کی ہے کہ:

''مذہب انسان کے اس رجحانِ فکر کا نام ہے کہ جسے وہ شعوری اور اعتقادی طور پر اپناتا ہے خواہ اس کی بنیاد کسی الہام یا وحی وغیرہ پر ہو اور خواہ وہ کسی فرد یا افراد کی ذہنی اختراع ہو۔''

وہ طبقہ کہ جو یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ ''مذہب کچھ بھی نہیں ہے۔'' وہ بھی مذہب کی ہماری اس تعریف کے تحت ایک مذہب رکھتا ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ ''مذہب کچھ بھی نہیں ہے'' یہ ایک اعتقاد ہے جسے انہوں نے شعوری طور پر اپنا رکھا ہے۔ اگرچہ اس کی بنیاد کسی الہام یا وحی پر نہیں ہے بلکہ یہ ان کی ذہنی اختراع ہے لیکن بہرحال اس اعتقاد کی وجہ سے یہ ان کا مذہب ہے۔ چنانچہ اس تعریف کے مطابق ہر انسان جس کی ذہنی صلاحیتیں موجود ہیں وہ فطری طور پر ایک مذہب رکھتا ہے۔ اس طرح سے ہمارے خیال میں لامذہبیت اور لادینیت کا خیال ہی باطل ہے لیکن اگر اس تعریف سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہم لامذہبیت یا لادینیت کے تصور کو تسلیم کر بھی لیں جیسا کہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے تو بھی اس تصور کے

مطابق لادینی نظریات کے حامل افراد بھی بہرحال فطری طور پر زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر مذہب کو تسلیم کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں۔ مشہور منکر خدا پنڈت جواہر لعل نہرو کے یہ الفاظ اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں۔ نہرو کہتے ہیں کہ:

"جب مجھے کوئی انتہائی مشکل مسئلہ پریشان کر دیتا ہے اور میرا دماغ ساتھ چھوڑ دیتا ہے تو میں مندر جاتا ہوں اور مورتی کے سامنے جھکتا ہوں آنسو بہاتا ہوں حتیٰ کہ میری پریشانی ختم ہو جاتی ہے۔"

اسی وجہ سے علامہ شبلی نعمانی کہتے ہیں کہ

"دنیا میں ہر قوم ہر نسل ہر طبقہ کوئی نہ کوئی مذہب رکھتا ہے۔ عالم و جاہل رذیل و شریف شاہ و گدا افریقہ کا وحشی اور یورپ کا تعلیم یافتہ سب اس میں برابر ہیں۔"

فطری طور پر ہر انسان فلاح اور سکون قلب چاہتا ہے اور مذہب فلاح اور سکون قلب مہیا کرتا ہے۔ اسی طرح فطری طور پر ہر انسان کائنات حیات موت حیات بعد الموت حقیقت انسان اور اسی قسم کے دیگر کئی مسائل کے جوابات چاہتا ہے اور مذہب اسے ان سب کے تسلی بخش جواب دیتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں کہ مذہب ہر انسان کی فطری خواہش کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے بغیر اس کی زندگی کی تکمیل ممکن نہیں ہے۔

2. مذہب ایک روحانی اقتضاء:

فطری ضرورت و خواہش ہونے کے ساتھ ساتھ روحانی لحاظ سے بھی مذہب ناگزیر ہے۔ مذہب حیات بعد الموت کا تصور واضح کر کے انسان کی تزکیہ نفس میں راہنمائی کرتا ہے۔ "مذہب ایک روحانی اقتضاء ہے" اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے ہمیں کسی قسم کے دلائل کا سہارا لے کر بات کو طویل کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ روحانیات کا تصور مذہب کے ساتھ اس قدر وابستہ ہے کہ اگر روحانیت کا وجود تسلیم کیا جائے تو مذہب کو خود بخود تسلیم کرنا ہی ہوگا۔ روحانیت سے مذہب کو الگ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اگر ہم یوں کہیں کہ مذہب کا تصور روحانیت کے بغیر بھی کسی نہ کسی انداز میں ہو سکتا ہے لیکن روحانیت کا تصور مذہب کے بغیر کسی بھی انداز میں ممکن نہیں ہے تو یہ غلط نہیں ہوگا۔ اسی لیے ہم بجا طور پر مذہب کو ایک روحانی اقتضاء کہہ سکتے ہیں۔

3. مذہب ایک معاشرتی ضرورت:

معاشرتی لحاظ سے بھی مذہب کی ضرورت و اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ ایک اچھا معاشرہ اتحاد مساوات رواداری امن و امان اخلاقی ترقی و تربیت خلوص و محبت اور عدل و انصاف وغیرہ سے تشکیل پاتا ہے اور مذہب ان سب کو پیدا کرنے اور پروان چڑھانے میں سب سے بڑا معاون اور مددگار ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ مذہب ایک تہذیب ساز قوت ہے۔ اگر کسی معاشرہ میں کوئی اچھا مذہب مقبول ہے تو وہ اچھے معاشرتی جذبات اور رویوں کو پیدا کر کے اچھا معاشرہ تشکیل دینے میں معاون ہوگا اور اگر کسی معاشرے میں کوئی برا مذہب مقبول ہے تو وہ برے معاشرتی جذبات اور رویوں کو پیدا کر کے برا معاشرہ تشکیل دینے میں معاون ہوگا۔ اس طرح خواہ اچھے معاشرہ کی تشکیل ہو اور خواہ برے معاشرے کی مذہب بہرحال اس تشکیل میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔

انسانی زندگی میں مذہب کا کردار

مذہب انسانی تاریخ کے ہر دور میں انسان کے ساتھ رہا ہے اور کسی بھی چیز کا مستقل ساتھ انسانی زندگی میں کچھ نہ کچھ کردار ضرور ادا کرتا ہے۔ اسی طرح مذہب نے بھی انسانی زندگی میں کئی لحاظ سے کردار ادا کیا ہے اور اگر ہم بغور مشاہدہ کریں تو ہم محسوس کریں گے کہ بحیثیت مجموعی مذہب نے انسانی زندگی میں ایک مثبت کردار ہی ادا کیا ہے اور اگر ہم بغیر کسی تحریف و تبدیلی کے خالصتاً الہامی مذاہب کو ہی مدنظر رکھتے ہوئے مشاہدہ کریں یا دوسرے لفظوں میں دین حق کو مدنظر رکھتے ہوئے مشاہدہ کریں تو ہم بحیثیت مجموعی کی قید کے بغیر یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مذہب نے انسانی زندگی میں ایک مثبت کردار ہی ادا کیا ہے۔ ذیل میں ہم مذہب کے انسانی زندگی میں کردار کے چند پہلوؤں پر نظر کرتے ہیں:

1. تکمیل حیات:

اگر ہم بغیر کسی تعصب کے مطالعہ و مشاہدہ کریں تو ہم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے کہ مذہب کے بغیر زندگی نامکمل رہتی ہے اور مذہب زندگی کی تکمیل کرتا ہے۔ مذہب انسان میں موجود حیوانیت کے جذبات کو محدود کر کے اسے صحیح معنوں میں انسان بناتا ہے۔

2. احیاء کی تحریکیں:

مختلف مواقع پر، مختلف مقامات پر اور مختلف معاشروں میں جنم لینے والی احیاء کی تحریکیں شعوری یا غیر شعوری طور پر مذہبی جذبات و رجحانات کا ہی نتیجہ ہیں۔ اصلاح اخلاق، اصلاح معاشرت یا اصلاح کردار کوئی بھی نام دے دیا جائے' اس کے پیچھے مذہبی جذبات ورجحانات ضرور کارفرما ہوں گے۔

3. شرف انسانیت:

اگرچہ باطل مذاہب انسانیت کی تذلیل کا باعث بھی بنتے ہیں لیکن اگر دین حق کو ہی دیکھا جائے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ دین حق کے تصور توحید نے انسانیت کو وہ عظیم شرف بخشا ہے جو نہ تو باطل ادیان نے دیا ہے اور نہ ہی وہ شرف دین و مذہب کے بغیر ممکن تھا۔

4. مادیت پسندی کے باوجود رجحان خیر:

دنیا میں اس وقت بعض معاشرے ایسے بھی ہیں کہ جو سراسر مادیت پسند ہیں لیکن ان کی مادیت پسندی کے باوجود ان میں بہرحال کچھ ایسی اخلاقی اقدار موجود ہیں کہ جو مذہب کا نتیجہ ہیں۔ مادیت پسندی کا تقاضا تھا کہ بوڑھے والدین معاشرہ پر مادی لحاظ سے صرف ایک بوجھ ہیں انہیں ختم ہو جانا یا کر دینا چاہیے لیکن مذہب کے انکار کے باوجود ایسے معاشرے احترام والدین کی مذہبی تعلیم کو یکسر فراموش نہیں کر سکے۔

5. تسکین فطرت:

ابتدائے آفرینش سے ہی مذہب کو انسان کی فطرت میں داخل کر دیا گیا ہے۔ مذہب کے بغیر انسان کی فطرت سکون و طمانیت سے محروم رہتی ہے۔ انسان کی فطرت کچھ اخلاقی اقدار کی طلب گار ہے اور مذہب ان اقدار کو پروان چڑھا کر انسانی فطرت کی تسکین میں معاونت کرتا ہے۔

6. مضر اشیاء و ایجادات کا تعمیری کردار:

دنیا میں بہت کچھ مضر اشیاء پہلے سے موجود ہیں جن میں کئی قسم کے زہر اور مضر بوٹیاں وغیرہ شامل ہیں اور بہت سی مضر اشیاء انسان نے خود ایجاد کر لی ہیں جن میں بارود' بم اور گیسیں وغیرہ شامل ہیں۔ ان مضر اشیاء سے اس وقت انسان تخریبی اور تعمیری دونوں قسم کے ثمرات حاصل کر رہا ہے' لیکن اگر مذہب نہ ہوتا تو ان کا صرف تخریبی استعمال ہوتا۔ مذہب نے ان کے تعمیری کردار کی طرف انسان کو مائل کیا اور انسان کو احترام آدمیت اور احترام انسانیت کا درس دیا۔

7. تربیت اخلاق:

مذہب نے انسانی اخلاق کی تربیت میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے اور اخلاقی اقدار کو پروان چڑھا کر انسان کو صحیح معنوں میں انسان بنایا ہے۔

8. تعمیر معاشرت:

تربیت اخلاق کے ذریعے ایک طرف مذہب نے انسان کی انفرادی اصلاح کی ہے اور دوسری طرف انفرادی اصلاح کے ساتھ

اچھے انسان پیدا کر کے ایک اچھی معاشرت کی تشکیل میں بھی مذہب نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

غرض یہ کہ مذہب نے انسان اور انسانی معاشرہ کو پستی سے نکال کر بلندی سے نوازا ہے اور انسانی زندگی کے ہر پہلو میں انسان کی مثبت راہنمائی کر کے اسے فلاحِ دنیوی اور فلاحِ اُخروی کے حصول کی طرف مائل کیا ہے۔

دنیا کے بڑے بڑے مذاہب

اگرچہ اس وقت دنیا میں بہت سے مذاہب موجود ہیں اور بہت سے ایسے مذاہب بھی ہیں کہ جو اب تاریخ کے صفحات میں ہی رہ گئے ہیں اور ان کے پیروکار اس وقت موجود نہیں ملتے لیکن ان میں سے چند ایک خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں اسلام اور اس کے علاوہ ہندومت' بدھ مت' یہودیت اور عیسائیت شامل ہیں۔ ذیل میں ہم ہندومت' بدھ مت' یہودیت اور عیسائیت کی تعلیمات کو دیکھتے ہوئے اسلامی تعلیمات سے ان کا موازنہ کر رہے ہیں۔

ذیل میں تقابلی جائزہ کے لفظ سے ہماری مراد موازنہ ہی ہے۔

ہندومت اور اسلام کا تقابلی جائزہ:

1. ہندومت میں خداوند وحدہ لاشریک کی پرستش اور توحید کی بجائے کہیں گاؤ ماتا کی پرستش نظر آتی ہے' کہیں برہما' شیو اور وشنو کی تثلیث نظر آتی ہے اور کہیں اندر' اگنی' سوریہ' سوم' وایو' کالی' درگا' پاروتی' اما' لنگ' یونی اور نہ جانے کون کون سے دیوتاؤں' دیویوں اور خداؤں کی پرستش ملتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہندودھرم میں 33 کروڑ خداؤں کی پرستش ہو رہی ہے۔ اس کے مقابلہ میں اسلام خوبصورت تصورِ توحید پیش کرتا ہے۔

2. ہندومت ایک ایسا مذہب ہے کہ جس کی کوئی یقینی تاریخ موجود نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں الفنسٹن کے یہ الفاظ قابلِ توجہ ہیں:

"جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کوئی کیسی ہی جاہل اور اکھڑ قوم کیوں نہ ہو' اکثر اپنے آباؤ اجداد کے حالات کی کوئی نہ کوئی کتاب رکھتی ہے تو اس بات پر کمال تعجب ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے پاس باوجود یہ کہ ان کی قوم نہایت عمدہ شائستگی اور تربیت کے درجے پر پہنچ گئی تھی کوئی کتاب تاریخ سے ملتی جلتی بھی نہیں ہے۔"

خود ہندو مفکرین کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ بقول پرمانند

"بدقسمتی سے ہمارے بزرگوں کو اپنے حالات درستی سے قلمبند کرنے کا شوق نہ تھا اور جو کچھ حالات لکھے ہوئے ملتے ہیں' وہ شاعرانہ مبالغے سے بھرے ہوئے ہیں جن کی مدد سے صحیح واقعات پر پہنچنا محال ہے۔"

اسی وجہ سے ہندومت کی ابتداء کے متعلق بھی آج تک کچھ صحیح معلوم نہیں ہوسکا اور ظاہر ہے کہ وہ دھرم کہ جس کی ابتداء تک معلوم نہ ہو وہ کیسے قابلِ قبول ہوسکتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے متعلق مکمل تاریخی معلومات موجود ہیں۔

3. ہندومت کی تعلیمات بھی متعین نہیں بلکہ تضادات کا ایک جنگل ہیں۔ اس کے برعکس اسلام واضح تعلیمات دیتا ہے۔

4. ہندومت میں برہمن' کھشتری' ویش اور شودر کے چار ورن نظر آتے ہیں جب کہ اسلام ذات پات کی تقسیم کی بجائے معیارِ فضیلت صرف تقویٰ کو قرار دیتا ہے۔

5. ہندومت کے مذہبی ادب میں رگ وید' سام وید' یجر وید اور اتھرو وید کو شرتی (الہامی) ہونے کا درجہ دیا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے چار حصے ہیں: پہلا حصہ سمہتا' دوسرا حصہ برہمن' تیسرا حصہ آرنیکا اور چوتھا حصہ اپنشد کہلاتا ہے' لیکن کیا واقعی یہ وید شرتی ہیں؟ اس کے متعلق پنڈت ستیہ ورت کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ وہ اپنی تصنیف "وید ترئی" میں لکھتے ہیں کہ

"ایسا ہی یہ امر ثقہ ہے کہ ہمارے بزرگ رشیوں نے ہی ویدوں کو تصنیف کیا۔"

اور پنڈت جواہر لعل نہرو کہتے ہیں کہ

"بہت سے ہندو ویدوں کو الہامی کتاب سمجھتے ہیں۔ یہ میرے نزدیک ہماری بڑی بدقسمتی ہے کیونکہ اس

طرح ان کی حقیقت ہم سے اوجھل ہو جاتی ہے۔"

اس کے مقابلہ میں اسلام ایک الہامی کتاب قرآن حکیم پیش کرتا ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ ہندومت غیر الہامی مذہب ہے جب کہ اسلام الہامی مذہب ہے۔

6. ہندومت میں ویدانت' سانکھیا' یوگ' کرم اور اسی طرح کے بیشمار فلسفے اور ان کی عجیب و غریب پیچیدہ تعبیریں ملتی ہیں جب کہ اسلام بالکل واضح تعلیمات دیتا ہے۔

7. وید تحریف و تبدیلی سے محفوظ نہیں حتیٰ کہ ان کی صحیح تعداد چار ہے یا تین' اس میں بھی ہندوؤں میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے اور مہابھارت شانتی پرو کے مطابق تو اس حد تک ہے کہ اصل وید چوری ہو گئے تھے اور مہابھارت شانتی پرو میں ویدوں کے گم ہو جانے پر برہما کا واویلا بھی مذکور ہے۔ اس کے برعکس قرآن حکیم ایک محفوظ کتاب ہے۔ اس میں کسی قسم کی تحریف و تبدیلی ثابت نہیں کی جا سکتی۔

8. ہندومت میں جونی چکر کا عجیب و غریب نظریہ پایا جاتا ہے حالانکہ ویدوں میں اس کا ذکر موجود نہیں۔ پروفیسر مکس مُلر کے بقول:

"وید میں تناسخ کا کوئی ذکر نہیں۔"

اسلام جونی چکر' آواگون یا تناسخ کی بجائے حیات اُخروی کا نظریہ پیش کرتا ہے۔

9. ہندومت میں بے شمار اوہام و خرافات موجود ہیں جب کہ اسلام ایسی چیزوں سے پاک ہے۔

10. ہندومت میں غیر آریاؤں سے شدید نفرت بھی ملتی ہے جب کہ اسلام کی نظر میں مسلم اور غیر مسلم بحیثیت انسان برابر ہیں۔

11. ہندو ادب میں بہت زیادہ فرضی حکایات اور دیومالائی افسانے ملتے ہیں۔ خیال رہے کہ ہم صرف عام ہندو ادب کی بات نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہندوؤں کے مذہبی ادب کی بھی یہی حالت ہے۔ اس کے مقابلہ میں اسلامی مذہبی ادب ان خرافات و فضولیات سے بالکل صاف ہے۔

12. ہندومت میں جزا و سزا کا واضح تصور موجود نہیں ہے' جب کہ اسلام جزا و سزا کا واضح تصور پیش کرتا ہے۔

13. ہندومت میں مکتی یا نجات کا بھی کوئی ایک متعین طریقہ نہیں ہے بلکہ کرم مارگ' جنان مارگ اور بھگتی مارگ کے تین طریقے ملتے ہیں اور ان کی تفصیلات میں بھی تبدیلی اور اختلاف ہوتا رہتا ہے' جب کہ اسلام کسی فلسفیانہ موشگافی کی بجائے صحیح عقائد اور اعمال حسنہ کو نجات کے حصول کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔

14. ہندومت میں نیوگ کا نظریہ سراسر بے حیائی کی تعلیم ہے کہ جس کی رو سے مرد اپنی بیوی کے علاوہ کسی اور سے بھی اولاد حاصل کر سکتا ہے اور اسی طرح عورت بھی اپنے خاوند کے علاوہ کسی اور کے پاس بھی اولاد کے حصول کے لیے جا سکتی ہے۔ علاوہ ازیں ہندو مندروں میں موجود دیویوں اور دیوتاؤں کی کئی تصاویر جن میں وہ ایک دوسرے سے اپنی عشقیہ ہوس کی تسکین کر رہے ہیں' اور لنگ اور یونی کی پوجا یہ سب بے حیائی کا درس ہیں' جب کہ اسلام حیاء کی تعلیم دیتا ہے۔

15. ہندو مذہب کئی لحاظ سے غیر عقلی اور غیر فطری ہے' جب کہ اسلام دین فطرت بھی ہے اور عقل کے اقتضاء کے بھی عین مطابق ہے۔

16. ہندومت میں بت پرستی اور مخلوق پرستی کا رجحان انسانیت کی تذلیل کا باعث ہے' جب کہ اسلام توحید الٰہی کا درس دے کر انسان کو شرف بخشتا ہے۔

17. ہندومت میں عورت کا مقام انتہائی گرا ہوا ہے۔ ہندومت کے مطابق کسی عورت سے مستقل محبت نہیں کی جا سکتی' ہر عورت کی عصمت مشتبہ ہے' عورت احمق اور دھوکے باز ہے' عورت کو مال سے محروم رہنا چاہیے' بیوہ عورت کو نکاح ثانی کی اجازت نہیں ہے' عورت خلع کا کوئی اختیار نہیں رکھتی خواہ خاوند کیسا ہی ظالم و جابر کیوں نہ ہو' عورت مرد کی محکوم ہے' عورت خود نجات حاصل نہیں کر سکتی' اس کی نجات صرف خاوند پر مر مٹنے سے ہے اور اسی طرح کے دیگر احکام ویدوں میں عورت کے متعلق ملتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلام نے عورت کو کئی طرح سے قابل احترام مقام بخشا ہے اور اس کے حقوق متعین کیے ہیں۔

18. ہندومت میں انتہائی ظالمانہ احکام بھی موجود ہیں جیسا کہ "یجروید" میں ہے کہ
"جس طرح بلی چوہے کو تڑپا تڑپا کر مارتی ہے اسی طرح ان کو تڑپا کر مارو۔"
اس کے برعکس اسلام دشمن سے بھی حسن سلوک کی ترغیب دیتا ہے۔

بدھ مت اور اسلام کا تقابلی جائزہ:

1. بدھ کی ذاتی تعلیمات کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ مہاتما بدھ نے نہ تو کوئی مذہب دیا' نہ کوئی کتاب' نہ کوئی عبادت خانہ بنایا اور نہ ہی کوئی طریقۂ عبادت بتلایا۔ البتہ بعد میں بہت کچھ بدھ مذہب میں شامل ہوا جب کہ اسلام نے شروع دن سے ایک مکمل ضابطۂ حیات انسانیت کو دیا۔
2. بدھ کی اپنی تعلیمات میں خدا کا نفیاً اور اثباتاً کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اگرچہ بعد میں بہت سے دیوی دیوتاؤں نے اس مذہب میں جگہ حاصل کر لی۔ اس کے مقابلہ میں اسلام نے خدائے واحد کا واضح تصور دیا ہے۔
3. تصویر کشی اور مجسمہ سازی بھی بدھ مت میں شامل ہو گئی ہے' جب کہ اسلام نے ان کی ممانعت کی ہے۔
4. تناسخ کا نظریہ بھی ابتداء میں بدھ مت میں شامل نہ تھا۔ بعد میں یہ بدھ مت کا حصہ بنا لیکن بدھ مت میں تناسخ کے چکر کے ساتھ ساتھ جنت و جہنم کا بھی تصور موجود ہے' لیکن یہ ابدی نہیں ہیں بلکہ بدھ مت کے مطابق نیک و بد کچھ عرصہ جنت و جہنم میں جزا و سزا کے بعد دوبارہ دنیا میں کسی اور روپ میں بھیج دیے جاتے ہیں۔ اس طرح ایک لامتناہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے قیامت پر دنیاوی حیات کے اختتام اور پھر جنت و جہنم میں جزا و سزا کا نظریہ پیش کیا ہے۔
5. بدھ مت نے ہندومت' تاؤمت' شنتو ازم اور کنفیوشس ازم کی کئی چیزیں قبول کر کے ایک مذہبی خاکہ تشکیل دیا ہے۔ اس کے برعکس اسلام کی سب تعلیمات اس کی اپنی ہیں جو شروع دن سے اسلام میں موجود ہیں' بعد میں دیگر مذاہب سے مستعار نہیں لی گئیں۔
6. مہاتما بدھ کی تعلیمات ان کی اپنی اختراع ہیں جو کہ ہندومت کی خرابیوں کی اصلاح کے لیے انہوں نے ترتیب دیں۔ انہوں نے اپنی تعلیمات کے الہامی ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کیا' جب کہ اسلامی تعلیمات الہامی ہیں۔
7. بدھ مت نے مختلف علاقوں میں وہاں کے ماحول سے متاثر ہو کر اپنے اندر تبدیلیاں پیدا کی ہیں' جب کہ اسلامی تعلیمات ہر علاقہ' ہر خطہ اور ہر دور کے لیے یکساں ہیں۔
8. بدھ مت میں حصول نروان کو آخری مقصد قرار دیا گیا ہے' جب کہ اسلامی نظریہ کے مطابق رضائے الٰہی کا حصول ہر مسلمان کا نصب العین ہونا چاہیے۔
9. بدھ مت میں زندگی کے معاشی' معاشرتی اور سیاسی پہلوؤں پر کوئی واضح راہنمائی موجود نہیں ہے' جب کہ اسلام نے ایک مکمل ضابطۂ حیات دیا ہے اور زندگی کے ہر پہلو میں انسان کی راہنمائی کی ہے۔
10. بدھ مت چونکہ ہندومت کی خرابیوں کے مقابلے میں ایک اصلاحی تحریک کی حیثیت سے سامنے آیا چنانچہ اس نے ہندومت میں موجود نسلی امتیازات کو یکسر ختم کر کے وحدت انسانی کے نظریہ کو اپنایا۔ اسلام بھی نسلی امتیازات کو ختم کرتا ہے اور تقویٰ کو معیار فضیلت قرار دے کر بحیثیت انسان سب کو برابر مقام دیتا ہے۔
11. ہندومت میں [illegible] کے مقابلہ میں بدھ مت نے عورت کو ایک قابل احترام معاشرتی مقام عطا کیا۔ اسلام بھی عورت کو معاشرہ میں اہم مقام دیتا ہے۔
12. ہندومت کی فلسفیانہ موشگافیوں کے مقابلہ میں بدھ مت نے ایک سادہ تعلیم سے روشناس کرایا ہے۔ اسلامی تعلیمات اگرچہ بدھ مت کی تعلیمات سے بہت مختلف ہیں لیکن بہرحال ان میں بھی سادگی اور آسانی موجود ہے۔
13. بدھ مت کی بنیاد آریہ ستیہ یا چار عظیم سچائیوں پر ہے۔ یہ عظیم سچائیاں گوتم بدھ نے حصول نروان سے کچھ دیر قبل معلوم کیں اور ان کی

وضاحت گوتم بدھ نے حصول نروان کے بعد سارناتھ کے مقام پر اپنی تقریر میں کی۔ یہ تقریر پالی زبان میں "دھماچکا پوتا سوتا" میں ملتی ہے۔ پہلی عظیم سچائی یہ ہے کہ یہ زندگی سراپا دکھ ہے۔ حتیٰ کہ بدھ کے نزدیک خوشیاں اور مسرتیں بھی دکھ ہی کا باعث ہیں کیونکہ ان کو ثبات حاصل نہیں اور ان کے ختم ہونے پر ان کے خاتمہ کا دکھ ہوگا۔ دکھ کی تین قسمیں ہیں:

i. دکھودکھاتا ii. سمکھارادکھاتا iii. وپاریناما دکھاتا

دوسری عظیم سچائی یہ ہے کہ اس دکھ کا اصل سبب طلب، خواہش یا آرزو ہے۔ "اتیوکا" میں گوتم بدھ کہتے ہیں کہ

"یقین جانو بھکشو! اسی خواہش کی زنجیر میں گرفتار مخلوقات طلسم وجود میں سرگرداں اس کے چکر لگاتی رہتی ہیں۔"

تیسری عظیم سچائی یہ ہے کہ اگر دکھ کا باعث خواہش، طلب یا آرزو ہے تو دکھ کا خاتمہ خواہش، طلب اور آرزو کے خاتمہ کے ساتھ ممکن ہے۔

چوتھی عظیم سچائی وہ طریقہ ہے کہ جس پر عمل سے اس خواہش، طلب اور آرزو کا خاتمہ ممکن ہے۔ اس طریقہ کو "اشٹانگک مارگ" کہتے ہیں۔ یہ ایک ہشت پہلو طریقہ ہے جو کہ سمیک درشٹی (عقیدہ کی سچائی)، سمیک سنکلپ (ارادہ کی سچائی)، سمیک واک (اقوال کی سچائی)، سمیک کرمانتا (افعال کی سچائی)، سمیک اجیوا (حلال ذرائع سے کمانا)، سمیک وہام (پختہ یقین)، سمیک سمرتی (توجہ کی سچائی) اور سمیک سمادھی (تصور کی سچائی) پر مشتمل ہے۔

بدھ کی یہ تعلیمات اور خصوصاً "اشٹانگک مارگ" اسلامی تعلیمات کے بہت قریب ہے، لیکن اسلام ایک فطری مذہب ہے اس لیے فطرت کے خلاف بغاوت کا قائل نہیں۔ خواہش کا پیدا ہونا بھی ایک فطری امر ہے اس لیے اسلام خواہشات کو یکسر دباتا نہیں ہے، البتہ اسلام خواہشات کو بعض حدود میں محدود کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

14. بدھ مت نے ترک دنیا اور رہبانیت کی تعلیم دی ہے، جب کہ اسلام دین و دنیا کا حسین امتزاج پیش کرتا ہے۔

15. بدھ نے عام افراد کے لیے الگ اور بھکشوؤں کے لیے الگ تعلیمات دی ہیں، جب کہ اسلامی تعلیمات ہر ایک کے لیے یکساں ہیں۔

16. گوتم بدھ نے والدین، اولاد، استاد، شاگرد، شوہر، بیوی، دوستوں، آقا، ملازم اور علماء و عوام کے آپس میں جو حقوق و فرائض بتلائے ہیں، وہ اسلامی تعلیمات کے بہت قریب ہیں۔

17. بدھ کی دیگر کئی اخلاقی تعلیمات اسلامی تعلیمات کے بہت قریب ہیں۔ مثلاً گوتم بدھ کی تعلیم کردہ پانچ بنیادی اخلاقی نصیحتیں کہ

i. کسی جاندار کو قتل نہ کریں۔ ii. نہ چوری کریں نہ کرنے دیں۔

iii. زنا نہ کریں۔ iv. جھوٹ نہ بولیں۔

v. نشہ آور اشیاء نہ استعمال کریں نہ کرنے دیں۔

یہ سب اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہیں اگرچہ اسلام نے انہیں پانچ بنیادی اخلاقی نصیحتیں نہیں قرار دیا۔

یہودیت اور اسلام کا تقابلی جائزہ:

1. یہودیت اگرچہ اسلام کی طرح الہامی مذہب ہے لیکن بہت زیادہ تحریفات کا شکار ہو چکا ہے۔

2. موجودہ یہودی مذہبی ادب میں خدائے واحد کا تصور موہوم ہو چکا ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) ابن اللہ کا درجہ دے دیا گیا ہے، جب کہ اسلام خداوند وحدہ لاشریک کو اولاد سے پاک قرار دیتا ہے۔

3. موجودہ یہودی مذہبی ادب میں خداوند قدوس کے ساتھ تھکنے، رنج کرنے اور پچھتانے جیسی صفات کو منسوب کیا گیا ہے۔ اسلامی عقیدہ کے مطابق خداوند قدوس ہر قسم کے عیوب سے پاک ہے اور یہ چیزیں بھی خداوند قدوس کی مالک و مختار ذات کے لیے عیب کا درجہ ہی رکھتی ہیں۔

4. موجودہ یہودی مذہبی ادب میں خداوند قدوس کے انسانوں جیسے افعال نقل کیے گئے ہیں۔ مثلاً ٹھنڈے وقت میں باغ میں پھرنا' حضرت آدم علیہ السلام کو ڈھونڈنا اور آواز دینا کہ تم کہاں ہو؟ اور (معاذ اللہ) کشتی لڑنا وغیرہ۔ اسلامی نظریہ کے مطابق یہ سب غلط اور باطل ہے۔

5. یہودیت نے صرف بنی اسرائیل کو مدنظر رکھا ہے۔ ان کے خیال میں خدا بھی صرف بنی اسرائیل کا خدا ہے' نجات بھی صرف بنی اسرائیل کے لیے ہے اور نبوت بھی صرف بنی اسرائیل میں ہی ہے۔ اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کی نبوت کو بھی انہوں نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ آپ ﷺ بنی اسرائیل میں سے نہیں تھے' جب کہ اسلام تمام اولاد آدم علیہ السلام کو اپنی تعلیمات کا مخاطب بناتا ہے۔

6. یہود قتل انبیاء تک کے مرتکب ہوئے' جب کہ اسلامی عقیدہ کے مطابق نبی کا قتل تو بڑی بات ہے' نبی کی شان میں گستاخی کرنا بھی کفر ہے۔

7. موجودہ یہودی مذہبی ادب میں انبیاء کے متعلق انتہائی توہین آمیز اور شرمناک واقعات منسوب کیے گئے ہیں۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق کتاب "پیدائش" میں ہے کہ

"اور نوح کاشتکاری کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا○ اور اس نے اس کی مے پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہو گیا○"

اسی طرح اسی کتاب "پیدائش" کے انیسویں باب میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیوں کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ حضرت لوط علیہ السلام کو شراب پلائی اور (معاذ اللہ) ان کو نشہ میں مدہوش کر کے ان سے ہم آغوش ہوئیں اور پھر اسی سے ان کی اولاد پیدا ہوئی۔ حضرت ہارون علیہ السلام پر بچھڑا بنا کر لوگوں کو اس کی پرستش پر لگانے کا الزام لگایا گیا ہے۔ کتاب "2- سموئیل" میں حضرت داؤد علیہ السلام پر ایک عورت کو ننگے نہاتے دیکھ کر اس کے عشق میں گرفتار ہونا' اس کو بلا کر اس سے (معاذ اللہ) زنا کرنے اور پھر اس کے خاوند کو قتل کروا کے اسے اپنی بیوی بنا لینے کے الزامات لگائے گئے ہیں۔ اسی طرح کئی انبیاء کے متعلق توہین کی گئی ہے۔ اسلامی نظریہ کے مطابق یہ سب سراسر کفر ہے۔

8. یہودیت میں آخرت کے متعلق اس قدر واضح تصور موجود نہیں ہے' جس قدر اسلام میں ہے۔

9. فرشتوں کے متعلق ایک طرف تو بعض مقامات پر انہیں انسان سے افضل قرار دیا گیا ہے اور دوسری طرف بعض مقامات پر ان کے متعلق عجیب و غریب باتیں بھی مذکور ہیں۔ مثلاً کتاب 'ایوب' میں لکھا ہے کہ

"دیکھ! اسے اپنے خادموں کا اعتبار نہیں اور وہ اپنے فرشتوں پر حماقت کو عائد کرتا ہے۔"

جب کہ اسلام کی نظر میں فرشتوں میں گناہ اور حکم عدولی کا مادہ ہی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ جب ان میں حکم عدولی کرنا ہی نہیں ہے تو ان پر اعتماد نہ کرنے کا کیا سوال۔

10. شریعت اسلامیہ کی طرح ختنہ یہودیت میں بھی موجود ہے۔

11. یہودیت کے احکام عشرہ جو کہ "خروج" اور "استثناء" میں مذکور ہیں' وہ بھی اسلامی تعلیمات کے کافی قریب ہیں۔

12. عورت کے متعلق یہودیت کا رویہ کچھ بہتر نہیں ہے۔ اگرچہ اسے حق مہر کا حقدار تو قرار دیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسے شادی سے قبل والدین کی اور پھر شادی کے بعد خاوند کی مملوکہ قرار دیا گیا ہے۔ وراثت میں اسے کوئی حصہ نہیں دیا گیا اور تعدد ازدواج کی کھلی اجازت دے دی گئی ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے عورت کو ایک قابل عزت مقام بخشا ہے۔

13. موجودہ یہودی مذہبی ادب میں بھی سود کی ممانعت موجود ہے لیکن اب یہود نے عملی طور پر غیر اسرائیلی سے سود لینے کو حلال قرار دے لیا ہے' جب کہ شریعت اسلامیہ میں سود کی مکمل طور پر حرمت ہے۔

14. شریعت اسلامیہ کی طرح خنزیر یہودیت میں بھی حرام ہے۔

15. موجودہ یہودی مذہبی ادب میں دوران جنگ دشمن کے خلاف سخت رویہ رکھنے اور قیدیوں کو اذیت دینے کے احکام ہیں جب کہ اسلام دشمن سے بھی حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔

16. تخلیق کائنات کے متعلق یہودیت کا نظریہ تقریباً اسلامی نظریہ کے مطابق ہی ہے۔

17. یہودیت میں اولاد میں سے صرف پہلوٹھے بیٹے کو وراثت کا حق دیا گیا ہے جب کہ شریعت اسلامیہ نے ساری اولاد کو حق وراثت دیا ہے۔

18. شراب یہودیت میں بھی شریعت اسلامیہ کی طرح حرام ہے۔

19. یہودیت میں خدا کا نام لینا خلاف ادب سمجھا جانے کی وجہ سے اب ''یہوواہ'' کے صحیح تلفظ میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ بے فائدہ خدا کا نام لینے کی یہودیت میں سزا مقرر ہے جب کہ اسلام خداوند قدوس کے نام لینے کو باعث برکت قرار دیتا ہے اور خداوند قدوس کو زیادہ سے زیادہ پکارنے کی تعلیم دیتا ہے۔

20. کنواری لڑکی سے زنا کی موجودہ یہودی مذہبی ادب میں عجیب و غریب سزا مذکور ہے۔ ''استثناء'' میں ہے کہ

''اگر کسی آدمی کو کوئی کنواری لڑکی مل جائے جس کی نسبت نہ ہوئی ہو اور وہ اسے پکڑ کر اس سے صحبت کرے اور دونوں پکڑے جائیں ٥ تو وہ مرد جس نے اس سے صحبت کی ہو لڑکی کے باپ کو چاندی کی پچاس مثقال دے اور وہ لڑکی اس کی بیوی بنے کیونکہ اسے اس نے بے حرمت کیا اور وہ اسے اپنی زندگی بھر طلاق نہ دینے پائے ٥''

اس سزا کی وجہ سے یہ راہ کھلنا واضح سی بات ہے کہ اگر کوئی لڑکا کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے اور لڑکی یا اس کے والدین وغیرہ رکاوٹ بنتے ہیں تو وہ اس لڑکی کو پکڑ کر اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنالے اور کوئی ایسا سبب پیدا کردے کہ اس دوران پکڑا جائے اور بس پھر وہ پچاس مثقال لڑکی کے باپ کو دے اور اب لڑکی خواہ اسے پسند کرتی ہو خواہ ناپسند اس بے چاری کو خواہ مخواہ اس کی بیوی بننا پڑے گا اور پھر وہ کبھی طلاق کے ذریعے بھی جدا نہیں ہو سکتی۔ واہ! کیا خوب انصاف ہے کہ ایک تو بے چاری پہلے ہی زیادتی کا نشانہ بنی ہو اور دوسرے ساری زندگی کی سزا بھی اُسے ہی ملے۔ اسلام اس قسم کی خرافات کو یکسر رد کرتا ہے۔

21. موجودہ تورات میں کئی تضادات بھی موجود ہیں۔ مثلاً تورات کی کتاب ''گنتی'' میں ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات ''کوہ ہور'' پر ہوئی جب کہ تورات کی ہی کتاب ''استثناء'' میں ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات ''موسیرہ'' میں ہوئی لیکن قرآن حکیم کسی قسم کی بھی تضاد بیانی سے بالکل محفوظ ہے۔

عیسائیت اور اسلام کا تقابلی جائزہ:

1. عیسائیت بھی اگرچہ اسلام کی طرح الہامی مذہب ہے لیکن یہ مذہب بھی یہودیت کی طرح تحریفات کا شکار ہو چکا ہے۔

2. عیسائیت بھی یہودیت کی طرح صرف بنی اسرائیل کا نسلی مذہب ہے جیسا کہ ''متی کی انجیل'' میں ہے کہ:

''ان بارہ کو یسوع نے بھیجا اور ان کو حکم دے کر کہا غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا ٥ بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی بھیڑوں کے پاس جانا ٥''

جب کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔

3. عیسائیت کے پاس کوئی ایک متعین قابل اعتماد انجیل موجود نہیں ہے بلکہ اس وقت عیسائی دنیا میں ''متی''، ''مرقس''، ''یوحنا'' اور ''لوقا'' کی چار مختلف انجیلیں ہیں جب کہ اہل اسلام ایک ایسی کتاب قرآن حکیم رکھتے ہیں کہ اس کے ایک حرف کی بھی تبدیلی ثابت نہیں ہوتی۔

4. اناجیل اربع میں کئی قسم کے تضادات بھی موجود ہیں۔ مثلاً ''متی'' اور ''لوقا'' میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو نسب نامے مذکور ہیں ان میں آپس میں اختلاف ہے۔ واقعات کی ترتیب اور تفصیلات میں بھی مختلف اناجیل میں واضح اختلافات موجود ہیں لیکن قرآن

حکیم کسی بھی قسم کی تضاد بیانی اور اندرونی اختلاف سے یکسر محفوظ ہے۔

5. "متی کی انجیل" میں شروع میں نسب نامہ ذکر کیا گیا ہے اور اس کے بعد ہے کہ

"پس سب پشتیں ابرہام سے داؤد تک چودہ پشتیں ہوئیں اور داؤد سے لے کر گرفتار ہو کر بابل جانے تک چودہ پشتیں اور گرفتار ہو کر بابل جانے سے لے کر مسیح تک چودہ پشتیں ہوئیں ٥"

اس بیان کے مطابق ظاہر ہے کہ کل بیالیس پشتیں ہونی چاہئیں اور یہ بھی ہے کہ جس کا نسب نامہ بیان کیا جا رہا ہو اس کا باپ پہلی پشت ہوا کرتا ہے' اسی طرح دادا دوسری پشت ہوا کرتا ہے۔ اس طرح نہیں ہوتا کہ خود اس آدمی کو پہلی پشت قرار دے دیا جائے۔ باپ کو دوسری پشت اور دادا کو تیسری پشت قرار دیا جائے۔ تو اب اس نسب نامہ میں پشتیں گنی جائیں تو وہ بیالیس کی بجائے چالیس بنتی ہیں اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام بھی شامل کر لیا جائے' حالانکہ اصولاً اسے شامل نہیں کیا جانا چاہیے' تب بھی اکتالیس پشتیں ہی بنتی ہیں' بیالیس کی تعداد اس صورت میں بھی پوری نہیں ہوتی۔ عیسائی مذہبی کتب میں اس طرح کی فاش غلطیاں موجود ہیں۔ اس کے برعکس قرآن حکیم ہر قسم کی غلطی سے بالکل محفوظ ہے۔

6. موجودہ عیسائیت میں کھانے پینے میں حلال و حرام کا امتیاز مٹ چکا ہے' جب کہ اسلام حلال و حرام کا واضح تصور دیتا ہے۔

7. پولس کی تعلیمات نے ختنہ کو بھی منسوخ قرار دے دیا' جب کہ اسلام میں یہ سنت ابراہیمی موجود ہے۔

8. عیسائی نظریہ کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام نے گناہ کیا تھا اور اس گناہ کا اثر نسل در نسل منتقل ہو رہا ہے۔ اسلامی نظریہ کے مطابق یہ تصور باطل ہے۔

9. عیسائیت کے مطابق ہر بچہ پیدائشی گنہگار ہے' جب کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق ہر بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔

10. عیسائیت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب پر جان دے کر تمام بنی آدم کے گناہ کا بوجھ اٹھالیا اور اس کی طرف سے کفارہ ادا کر دیا ہے' جب کہ اسلامی نظریہ کے مطابق ہر آدمی اپنے گناہ کا بوجھ خود اٹھاتا ہے۔

11. عیسائیت میں ابنیت مسیح علیہ السلام' الوہیت مسیح علیہ السلام اور تثلیث کے مشرکانہ عقائد شامل ہو گئے ہیں' جب کہ اسلام خالص توحید الٰہی کا قائل ہے۔

12. عیسائی عقیدہ کے مطابق شریعت لعنت ہے' انسان اس پر عمل نہیں کر سکتا' انبیائے کرام علیہم السلام بھی (معاذ اللہ) بے گناہ نہ رہ سکے' اس لیے شریعت لعنت ہے' جب کہ اسلامی نظریہ کے مطابق شریعت ذریعۂ ہدایت ہے' عمل کے لیے آسان ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں۔

13. عیسائیت میں ترک دنیا اور رہبانیت کا درس ملتا ہے' جب کہ اسلام زہد و تقویٰ کی تلقین کرتا ہے۔

14. عیسائیت کی تعلیمات مکمل اور واضح نہیں ہیں جیسا کہ خود عیسائی عالم جوڈ نے تسلیم کیا ہے کہ سیاست و اقتصادیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم انتہائی مبہم ہے۔ جوڈ کہتا ہے کہ

"سیاسی اور اقتصادی معاملات کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم افسوسناک حد تک مبہم ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسیحی علماء سرمایہ داری' استعماریت' غلامی' جنگ' قید و بند' دشمنوں کو زندہ جلانا اور تکالیف دینا غرض جو چاہیں مسیح علیہ السلام کی تعلیم سے ثابت کر سکتے ہیں۔"

جبکہ اسلام نے ایک مکمل اور واضح ضابطۂ حیات دیا ہے۔

15. موجودہ عیسائیت نے دین اور دنیا کو بالکل الگ الگ کر دیا ہے اور پولس کی وضع کردہ اس عیسائیت کے مطابق خدا اور دولت سے ایک ساتھ نباہ ممکن نہیں ہے۔ "متی" میں ہے کہ

"کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا کیونکہ یا تو ایک سے عداوت رکھے گا اور دوسرے سے محبت یا ایک سے ملا رہے گا اور دوسرے کو ناچیز جانے گا' تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔ ٥"

اس کے برعکس اسلام نے دین و دنیا کا ایک نہایت حسین امتزاج پیش کیا ہے۔

اسلامی نظریہ اور اس کی امتیازی خصوصیات

اسلامی نظریہ کیا ہے؟

ہر وہ تصور یا ہر وہ تعلیم جو کسی بھی معاملے میں اسلام پیش کرتا ہے' اسے اس معاملے کے متعلق اسلامی نظریہ کہا جائے گا۔ مثلاً اگر ہم اس مسئلہ پر غور کر رہے ہیں کہ زندگی کے متعلق اسلام کی تعلیمات اور اس کا فلسفہ کیا ہے تو اسے ہم اسلامی نظریہ حیات کہیں گے۔ اگر ہمارے پیش نظر اسلامی عقائد ہیں تو اسے ہم اسلامی نظریہ عقائد کا نام دیں گے اور اسی طرح اگر ہم اسلامی عبادات پر غور و فکر کر رہے ہیں تو اسے اسلامی نظریہ عبادات کہا جائے گا وغیرہ۔

اسلامی نظریہ پر بحث کرتے وقت ضروری نہیں کہ ہمارے پیش نظر اسی طرح کے وسیع عنوانات ہوں بلکہ ہم کسی جزوی پہلو کو بھی مدنظر رکھ سکتے ہیں۔ مثلاً اسلامی نظریہ حیات ایک وسیع عنوان ہے۔ جس کے تحت زندگی کا ہر پہلو آ جاتا ہے۔ اس میں سیاست بھی ہے' معیشت بھی ہے اور معاشرت بھی ہے۔ اسی طرح بہت کچھ ہے' لیکن اب ضروری نہیں کہ ہم اس وسیع عنوان کے تحت بحیثیت مجموعی ہی اس پر بحث کریں بلکہ ہم صرف سیاسی پہلو کو مدنظر رکھ کر بھی بات کر سکتے ہیں اور اسے ہم اسلامی نظریہ سیاست کہیں گے یا اگر ہم صرف معاشی پہلو کو مدنظر رکھ کر بات کرتے ہیں تو اسے ہم اسلامی نظریہ معیشت یا اسلامی نظریہ اقتصادیات کہہ سکتے ہیں وغیرہ۔ اسی طرح اسلامی نظریہ عقائد پر بحیثیت مجموعی بحث کرنے کی بجائے ہم اس کے جزوی پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر بھی بات کر سکتے ہیں اور اس صورت میں ہم عنوان بھی جزوی حیثیت کا ہی دیں گے۔ مثلاً اسلامی نظریہ' توحید' اسلامی نظریہ رسالت' اسلامی نظریہ' آخرت وغیرہ۔

ان جزوی عنوانات میں بھی پھر ہم مزید نیچے جا سکتے ہیں مثلاً اسلامی نظریہ معیشت پر بحیثیت مجموعی بحث کرنے کی بجائے ہم صرف معیشت کے ایک پہلو مثلاً تجارت پر بحث کرتے ہیں تو اب ہمارا عنوان اسلامی نظریہ' تجارت ہو جائے گا یا اگر ہم اس سے بھی نیچے چلے جاتے ہیں اور تجارت پر بھی بحیثیت مجموعی نظر کرنے کی بجائے صرف اس کے ایک پہلو مثلاً منافع کے متعلق اسلامی تعلیمات کا جائزہ لے رہے ہیں تو اسے ہم اسلامی نظریہ منافع قرار دیں گے۔

ہماری اس بحث سے معلوم ہوا کہ کسی بھی چھوٹے سے چھوٹے معاملے یا کسی بھی بڑے سے بڑے معاملے پر جب ہم اسلامی تعلیمات اور اسکے متعلق اسلامی فلسفے کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ اس چیز کے متعلق اسلامی نظریہ قرار دیا جائے گا۔

علاوہ ازیں کبھی ہماری بحث کا موضوع کسی ایک چیز کی بجائے دو یا زیادہ چیزیں ہوتی ہیں مثلاً ہم عبادات اور عقائد دونوں کے متعلق اسلامی تعلیمات کا جائزہ لے رہے ہیں تو اسے ہم اسلامی نظریہ عقائد و عبادات کہیں گے یا نچلی سطح پر مثلاً ہم بیع اور ربوا دونوں پر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بحث کر رہے ہیں تو اسے ہم اسلامی نظریہ بیع و ربوا کہیں گے۔ اس قسم کی مرکب صورتحال میں ان دو یا دو سے زیادہ چیزوں پر الگ الگ بحث اور انکی الگ الگ حیثیت بھی ہمارے مدنظر ہو گی اور خاص طور پر ان دو یا زیادہ چیزوں کا آپس کا تعلق اور آپس کا فرق ہمارے مدنظر ہو گا۔ مثلاً اسلامی نظریہ بیع و ربوا میں ہم بیع اور ربوا میں سے ہر ایک کی انفرادی حیثیت سے بھی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیں گے اور اس پر بھی غور کریں گے کہ اسلام کی نظر میں بیع اور ربوا کا آپس میں کس حد تک تعلق بن سکتا ہے اور کس حد تک یہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

اسلامی نظریہ کی امتیازی خصوصیات:

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اسلامی نظریہ' خواہ وہ کسی بھی چیز یا معاملے سے متعلق ہو' وہ اسلام کے علاوہ دیگر تمام نظریات سے ہٹ

کر ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ اسلامی نظریہ کچھ ایسی انفرادی امتیازی خصوصیات کا حامل ہے کہ جو خصوصیات دیگر نظریات میں نہیں پائی جاتیں یا اگر کسی حد تک پائی جاتی ہیں تو انتہائی معمولی اور نا کافی حد تک پائی جاتی ہیں۔ ذیل میں ہم ان انفرادی امتیازی خصوصیات پر ایک نظر کر رہے ہیں:

1. الہامی نظریہ:

کسی بھی معاملے میں جب ہم اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ تعلیمات بندوں کی بتائی ہوئی نہیں ہیں بلکہ خداوند قدوس کی طرف سے تعلیم کردہ ہیں۔ اگر چہ دیگر مذاہب بھی اپنی تعلیمات کے متعلق یہ دعویٰ رکھتے ہیں لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ انکی تعلیمات تحریف سے پاک نہیں ہیں اس لئے انہیں مکمل طور پر الہامی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

2. غلطی سے پاک:

اسلامی نظریہ خواہ کسی بھی چیز کے متعلق ہو چونکہ وہ رب قدوس کی طرف سے ہے اور رب قدوس سے غلطی صادر ہونا ناممکن ہے اس لئے اسلامی نظریہ غلطی سے مبرا اور پاک ہوگا۔

3. بنیادی اصول:

کسی بھی چیز کے متعلق اسلامی نظریہ کی ایک بہت بڑی امتیازی خصوصیت اور خوبی یہ ہے کہ اسلام نے ہر چیز کے متعلق کچھ بنیادی اصول بتلائے ہیں جن کی روشنی میں فروع اخذ کی جاسکتی ہیں۔

4. جامع و مکمل:

چونکہ اسلام نے ہر معاملہ میں کچھ بنیادی اصول دے دیئے ہیں جن سے ہر نئے پیدا ہونے والے مسئلہ کے متعلق ایک رائے مرتب کی جاسکتی ہے اس لئے اسلامی نظریہ ہر لحاظ سے مکمل اور جامع ہے۔ کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں مسئلہ پر اسلامی تعلیمات ناقص ہیں۔

5. عقلی تقاضوں کے مطابق:

چونکہ اسلامی نظریہ خداوند قدوس کا بتلایا ہوا ہے اس لئے اس میں کوئی ایسی خامی نہیں ہے کہ جس کے متعلق یہ کہا جاسکے کہ یہ عقل کے مطابق نہیں ہے۔ اسلامی نظریہ خواہ کسی بھی معاملہ میں ہو مکمل طور پر عقل کے تقاضوں کے عین مطابق ہوگا۔

6. ہر دور کے تقاضوں کے مطابق:

اسلامی نظریہ نہ صرف یہ کہ عقل کے اقتضاء کے مطابق ہے بلکہ یہ ہر دور کے عصری تقاضوں کے بھی عین مطابق ہے کیونکہ اسلام کے دیئے ہوئے بنیادی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر دور میں پیدا ہونے والے نئے نئے مسائل کا حل اخذ کیا جاسکتا ہے۔

7. واضح تعلیمات:

ہر چیز اور ہر معاملے میں اسلامی نظریہ میں ہمیں واضح تعلیمات ملتی ہیں۔ کسی بھی مسئلہ میں کسی بھی اسلامی تعلیم کو مبہم اور غیر واضح نہیں قرار دیا جاسکتا۔

8. اصلاحی نظریہ:

اسلام چونکہ ایک اصلاحی مذہب ہے اور یہ انسان کو حقیقی فلاح کی طرف لے جانا چاہتا ہے اس لئے کسی بھی معاملے میں

اسکی تعلیم کو دیکھا جائے تو اس میں اصلاحی پہلو واضح طور پر نظر آتا ہے۔

9. فساد سے مبرا:

اسلامی نظریہ چونکہ ایک اصلاحی نظریہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ الہامی بھی ہے تو اسکی کسی بھی تعلیم میں فساد اور بگاڑ کا پہلو بالکل موجود نہیں ہے۔

10. ہر چیز میں درسِ توحید:

اسلامی نظریہ کی ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ کسی بھی معاملہ پر اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں تو اس میں واضح طور پر یا کم از کم اشارۃً درسِ توحید ہمیں ضرور ملے گا۔

اسلام کا تصورِ حیات

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو کہ زندگی کے ہر لمحہ میں مکمل راہنمائی کرتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اسلام نے زندگی یا حیات کے تصور کو نظر انداز کر دیا ہو۔

اسلامی نظریہ کے مطابق یہ زندگی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ایک امانت ہے جو کہ کسی بھی وقت واپس لی جا سکتی ہے۔ موت سے کسی بھی وقت اس زندگی کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اس لحاظ سے کسی بھی انسان کی مدت حیات کا تعین نہیں کیا جا سکتا' کوئی بھی لمحہ آخری لمحہ ثابت ہو سکتا ہے۔ پھر اس ناپائیدار زندگی کا مطالعہ اسلامی نظریہ کے مطابق دو حیثیتوں میں کیا جائے گا۔ ایک یہ کہ اس زندگی کی ذاتی حیثیت کیا ہے؟ اور دوسرا یہ کہ کیا اس ذاتی حیثیت کے علاوہ بھی زندگی کی کوئی حیثیت ہے؟

پہلے ہم اس زندگی کی ذاتی حیثیت کی طرف نظر کرتے ہیں۔ قرآن حکیم ہمیں اس زندگی کی حیثیت بتاتا ہے کہ

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝

ترجمہ: اور دنیا کی زندگی تو محض ایک ظاہر فریب چیز ہے۔ (سورۃ آل عمران آیت نمبر 185)

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ

ترجمہ: اور یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے مگر ایک کھیل اور دل کا بہلاوا۔ (سورۃ العنکبوت آیت نمبر 64)

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ

ترجمہ: سوائے اس کے نہیں کہ یہ دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور تماشا ہے۔ (سورۃ محمد آیت نمبر 36)

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ

ترجمہ: جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔ (سورۃ الحدید آیت نمبر 20)

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ؗ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِىَ دَارُ الْقَرَارِ ۝

ترجمہ: اے قوم! یہ دنیا کی زندگی تو چند روزہ سامان ہے اور بے شک ہمیشہ کے قیام کی جگہ آخرت ہی ہے۔

(سورۃ المومن آیت نمبر 39)

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اس دنیا کی زندگی کی ذاتی حیثیت اللہ کے بارا کچھ بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے بھی اس زندگی کی معمولی حیثیت کے متعلق فرمایا ہے کہ

''آخرت کی زندگی ایک دریا کی مانند ہے۔ اس کے مقابل دنیا کی زندگی ایسے ہے جیسے دریا میں کوئی انگلی ڈال کر نکالے اور اس کی انگلی پر پانی کی کچھ نمی باقی رہ جائے۔''

اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ اسلامی نظریہ کے مطابق اس زندگی یا حیات کی ذاتی حیثیت تو کچھ بھی نہیں ہے' لیکن کیا کسی اور لحاظ سے اس کی کچھ اہمیت ہے؟ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ

"الدنیا مزرعة الاخرة" (دنیا آخرت کی کھیتی ہے)

آقائے دو عالم ﷺ کا یہ مختصر فرمان اس دنیا کی دوسری حیثیت کو واضح کر رہا ہے۔ اس فرمان نبوی ﷺ کے مطابق دنیا کی زندگی کی ذاتی حیثیت اگرچہ کچھ بھی نہیں ہے لیکن پھر بھی اس زندگی کی ایک بہت بڑی حیثیت ہے اور وہ یہ ہے کہ آخرت کی زندگی کے لیے "دار القرار" کہا گیا ہے۔ اس میں کامیابی یا ناکامی کا دارومدار اسی زندگی پر ہے۔ اس لحاظ سے دنیا کی زندگی انتہائی اہم ہے کہ اس زندگی میں اگر اچھے اعمال ہوں گے تو اخروی زندگی میں سکون و طمانیت حاصل ہوگی اور اگر اس زندگی میں برے اعمال ہوں گے تو وہ زندگی تباہی و بربادی میں گزرے گی۔ چنانچہ ہمیں احکامات الٰہیہ کا پابند رہنا چاہیے۔

مندرجہ بالا بحث سے اسلام کے تصور حیات کا جو خاکہ ہمارے سامنے آتا ہے' اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

1. یہ زندگی خداوند قدوس کی طرف سے عطا کردہ ایک امانت ہے۔
2. یہ زندگی عارضی و فانی ہے۔
3. اس زندگی کے بعد ایک اُخروی حیات ہے۔
4. وہ حیات نہ ختم ہونے والی ہے۔
5. اس زندگی کی ذاتی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے۔
6. اُخروی زندگی کی بہتری کے لیے دار العمل ہونے کی حیثیت سے اس زندگی کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔
7. ہمیں اس زندگی کو ہی مقصود بنا لینے کی بجائے اخروی فلاح کے لیے اعمال کرنے چاہئیں۔
8. فلاح اخروی کن اعمال سے ہوگی؟ اس کے لیے اسلام مکمل تعلیمات بلکہ پورا نظام زندگی دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆

اسلامی نظریۂ حیات کی امتیازی خصوصیات

1. الہامی نظریہ:

اسلامی نظریۂ حیات کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ کسی انسانی ذہن کی اختراع نہیں بلکہ یہ خالق کائنات کا عطا کردہ ہے۔ انسانی ذہن اور عقل محدود ہے' انسانی سوچ محدود ہے' انسانی فکر سے بہت کچھ پوشیدہ رہ سکتا ہے' انسانی عقل بہت سی اشیاء کی حقیقت کے متعلق غلطی کر سکتی ہے لیکن یہ نظریہ اس علیم و خبیر ذات کا عطا کردہ ہے کہ جس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتا اور وہ ہر چیز کی حقیقت کو بخوبی جانتا ہے۔

2. غلطی سے پاک:

چونکہ یہ نظریہ خود خالق کائنات کا عطا کردہ ہے اور خالق کائنات سے کسی بھی چیز کی حقیقت و ماہیت پوشیدہ نہیں' ہے اس لیے اس

نظریہ میں کسی بھی غلطی، کوتاہی، خامی یا لغزش کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ انسانی نظریات غلط ہو سکتے ہیں لیکن ربانی نظریہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔

3. جامع و مکمل:

رب ذوالجلال والاکرام کا عطا کردہ نظریہ ہونے کی وجہ سے یہ جامع، کامل اور مکمل بھی ہے کیونکہ اس حاکم مطلق سے کسی قسم کا کوئی گوشہ پوشیدہ نہیں رہ سکتا، حیات انسانی کا کوئی امکانی پہلو ایسا نہیں ہو سکتا جو علیم بذات الصدور سے پوشیدہ رہ گیا ہو۔ انسانی نظام اور نظریات تو کئی لحاظ سے غیر جامع اور نامکمل ہو سکتے ہیں لیکن خالق ارض وسما کا بتایا ہوا نظام اور نظریہ کبھی غیر جامع اور نامکمل نہیں ہو سکتا۔

4. واضح تعلیمات:

اسلامی نظریہ حیات کی ایک اور خوبی یہ بھی ہے کہ یہ واضح تعلیمات کا حامل ہے۔ اس میں فلسفیانہ موشگافیاں یا پیچیدگیاں نہیں ہیں، بلکہ یہ سادہ اور آسان ہے۔ اسلام نے اگر کوئی تعلیم دی ہے تو اس کی جامع تشریح بھی بتلائی ہے، اگر کسی جگہ اجمال ملے گا تو کسی اور جگہ اس کی تفصیل بھی مل جائے گی۔

5. عظمت انسانی:

اسلامی نظریہ حیات کے مطابق حقیقی مالک صرف اللہ ہی کی ذات ہے اور عبادت کے لائق بھی صرف اور صرف وہی ہے۔ اس طرح سے اسلام نے در در پر جھک کر ذلیل ہونے سے انسان کو بچایا ہے اور صرف اس در پر جھکنے کی تلقین کی ہے کہ جس در پر جھکنے اور عاجزی کرنے سے بھی انسان کی تذلیل نہیں ہوتی بلکہ اس در پر جھکنے سے انسان کی عظمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو بارگاہ ربانی میں جس قدر زیادہ عاجزی کرے گا، رب ذوالجلال اس کا مقام و مرتبہ اتنا ہی باعظمت بنا دے گا۔

6. اصلاحی نظریہ:

اسلام نے دنیاوی زندگی کی ذاتی حیثیت کچھ نہ ہونے اور دنیا کو آخرت کے لیے دارالعمل ہونے کا تصور دے کر اصلاح اعمال کی طرف ترغیب دی ہے۔ جب دنیا کا لالچ ختم ہو جائے اور صرف فلاح اخروی کا حصول مدنظر ہو تو انسان خود بخود رذائل سے اجتناب کرے گا اور حسنات کو اپنائے گا۔ اس طرح اسلام نے ایک اصلاحی نظریہ پیش کیا ہے۔

7. امن عالم:

چونکہ اسلامی نظریہ ایک اصلاحی نظریہ ہے تو اس سے فرد کی اصلاح ہوگی اور فرد معاشرہ کی بنیادی اکائی ہے۔ اگر ہر فرد کی اصلاح ہو جائے تو معاشرہ کی اصلاح بھی خود بخود ہو جائے گی۔ افراد کی اصلاح سے چوری، ڈاکہ، زنا، رشوت، قتل اور اس طرح کی دیگر معاشرتی خرابیاں دور ہوں گی اور معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ بن جائے گا اور ہر معاشرہ میں قیام امن اور اصلاح امن عالم کا باعث ہوں گے۔

8. جوابدہی کا تصور:

اسلام نے دنیا کے فانی ہونے اور آخرت میں اعمال کے حساب و کتاب کا نظریہ پیش کر کے جوابدہی کا ڈر بھی پیدا کیا ہے۔ فلاح اخروی کے حصول کی خواہش نیک اعمال کی طرف راغب کرتی ہے اور جوابدہی کا خوف رذائل سے اجتناب کرنے پر مائل کرتا ہے، اس طرح جوابدہی کا تصور بھی اصلاح انسانیت کے ذریعے اصلاح معاشرہ اور امن عالم کے قیام میں مددگار ہے۔

9. دین و دنیا کا حسین امتزاج:

اسلام نے حیات دنیاوی کو فانی اور آخرت کے لیے دارالعمل قرار دے کر ترک دنیا کا نظریہ نہیں پیش کیا، بلکہ اسلام دنیا کی آسائشات کے جائز حدود میں استعمال پر کوئی پابندی نہیں لگاتا۔ اسلام نے یہ نہیں کہا کہ دنیا سے بالکل کنارہ کشی اختیار کر لی جائے، بلکہ اسلام تو صرف حصول دنیا کو کچھ حدود میں محدود کرتا ہے۔ اسلامی نظریہ کے مطابق دنیا بقدر ضرورت اور آخرت بطور مقصد ہونی چاہیے۔ یوں سمجھئے کہ

زندگی ایک کشتی ہے اس کے چلنے کے لیے پانی ایک ضرورت ہے لیکن اس ضرورت کو اس قدر غالب نہیں آ جانا چاہیے کہ یہ کشتی کو ڈبونے لگے۔

10. بنیادی اصول:

اسلام نے ہر ہر فرد کی زندگی کے ہر ہر لمحہ کے متعلق الگ الگ تفصیلات نہیں دیں اور نہ ہی ایسا ممکن ہے بلکہ اسلام نے کچھ بنیادی اصول متعین کیے ہیں کہ جن اصولوں کی مدد سے حیات انسانی میں پیدا ہونے والے کسی بھی مسئلہ کے حل کا استنباط ہو سکے۔

11. عقلی تقاضوں کے مطابق:

اسلامی نظریۂ حیات اور ضابطۂ حیات عقل کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جسے خلاف عقل قرار دیا جا سکے۔ کسی آدمی کو کسی مسئلہ کی توجیہ سمجھ نہ آنا الگ بات ہے لیکن اس سے وہ مسئلہ خلاف عقل نہ ہو جائے گا۔ یہ اس کی عقل اور فکر کے محدود ہونے کی وجہ سے ہوگا۔

12. انقلابی نظریہ:

اسلام دین فطرت ہے اور یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ فطرت کو دبایا نہیں جا سکتا۔ اسی طرح اسلام کو بھی دبا دینا ناممکن ہے۔ اسلام ایک ایسا نظریہ پیش کرتا ہے کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ارادی یا غیر ارادی طور پر ہر انسان زندگی کے کسی نہ کسی لمحہ میں اس کی حقانیت کا اعتراف کرتا ہے۔ یہ ایک ایسا انقلابی نظریہ ہے کہ جو خود ضمیر کی آواز بن کر انسان کے اندر سے ابھرتا ہے اور اپنے آپ کو منوا لیتا ہے۔

اسلام میں انسانیت کا مقام

اسلامی نظریۂ حیات میں اگرچہ دنیاوی زندگی کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام کی نظر میں انسان کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ اسلام نے انسانیت کو ایک عظیم و بلند مقام عطا کیا ہے۔ دیگر مذاہب میں کسی نہ کسی انداز میں تذلیل انسانیت ہے، ہندومت میں کائنات ارض و سما کی تقریباً ہر چیز کے سامنے انسان کو جھکایا گیا ہے گویا ان سب کا مقام ہندومت میں انسان سے زیادہ ہے، بدھ مت کے نزدیک دنیاوی زندگی آلائشوں سے بھرپور ہے اور ان آلائشوں سے انسانی دامن بھی محفوظ نہیں ہے چنانچہ انسان ناپاک ہے اور اسے پاک ہونے کے لیے سخت ریاضتوں کی ضرورت ہے، یہودیت میں نجات صرف بنی اسرائیل کے لیے قرار دی گئی ہے اور اس طرح سے بنی اسرائیل کے علاوہ دیگر اقوام کو حقیر کیا گیا ہے، عیسائیت کے نزدیک انسان پیدائشی گنہگار ہے۔ ان مذہبی تصورات کے علاوہ اگر ہم قبل از اسلام کے مختلف معاشروں کو دیکھیں تو بھی ہر معاشرہ میں تذلیل انسانیت کسی نہ کسی رنگ میں ضرور موجود نظر آتی ہے۔ تقریباً ہر معاشرہ میں آقا وغلام کی تقسیم موجود تھی اور غلام کی حالت اس قدر ناگفتہ بہ تھی کہ اسے صرف تذلیل انسانیت کہہ دینا بہت کم ہے، اسی طرح عورت کو تقریباً ہر معاشرہ میں ذلیل اور حقیر سمجھا جاتا تھا، آقا وغلام کی تقسیم کے علاوہ بھی طبقاتی کشمکش موجود تھی اور ہر معاشرہ میں نچلی ذاتوں کا مقام انسانیت سے گرا ہوا تھا۔ اسلام نے آ کر انسان اور انسانیت کو اس کا صحیح مقام دیا اور اس مقام میں مرد و عورت، آقا وغلام اور امیر وغریب سب کو برابر کر دیا۔ اس طرح اسلام کا شرف انسانیت کا تصور نسل انسانی کے ہر فرد کے لیے ہے، نہ کہ صرف کسی مخصوص طبقے یا چند مخصوص افراد کے لیے۔

ذیل میں ہم اسلام میں انسانیت کے مقام کے چند پہلوؤں کا جائزہ لے رہے ہیں:

1. ارادۂ الٰہی کا اظہار:

خالق کائنات نے بہت سی مخلوقات تخلیق کی ہیں لیکن کسی بھی مخلوق کی تخلیق پر اللہ کریم نے یہ اہتمام نہیں فرمایا کہ اس سے قبل پیدا کی گئی مخلوقات کے سامنے ایک نئی مخلوق کی پیدائش کے ارادہ کا اللہ کریم نے اظہار فرمایا ہو۔ جب بھی رب ذوالجلال نے ایک نئی مخلوق کی تخلیق کا ارادہ کیا، کن فیکون کی قدرت سے تخلیق کر دی، لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے خالق ارض و سما نے انسان کو یہ امتیاز بخشا کہ اس کی تخلیق سے قبل خالق نے فرشتوں کے سامنے اپنے ارادہ کا اظہار کیا۔

وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط

ترجمہ: اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ "میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔" (سورۃ البقرہ آیت نمبر 30)

2. قبل از تخلیق مقام کا تعین:

مذکورہ بالا آیت کریمہ سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ اللہ کریم نے تخلیق آدم علیہ السلام سے قبل صرف اپنے ارادہ کا اظہار ہی نہیں کیا بلکہ اسلامی نظریہ کے مطابق تخلیق سے بھی قبل انسان کے مقام و مرتبہ اور حیثیت کا تعین بھی خود خالق نے کر دیا۔

3. اعلیٰ وامتیازی مقام:

اسلامی نظریہ کے مطابق انسان کا جو مقام اس کی تخلیق سے بھی قبل خالق نے متعین کیا' وہ کوئی معمولی مقام نہیں تھا بلکہ اس مقام کے لیے آیت مذکورہ میں خَلِیْفَۃً کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

4. وکالت الٰہیہ:

شریعت اسلامیہ کی رو سے انسان کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ جب اللہ رب العزت نے فرشتوں کے سامنے تخلیق انسانی کا ذکر کیا تو فرشتوں نے استفسار کیا کہ

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ ج وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ط

ترجمہ: کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں جو اس میں فساد کرے گا اور خونریزیاں کرے گا؟ اور ہم آپ کی حمد و ثناء کے ساتھ تسبیح اور آپ کے لیے تقدیس کر رہے ہیں۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 30)

تو اس استفسار کے جواب میں خود رب قدوس نے انسان کی وکالت فرمائی کہ

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ o

ترجمہ: "بے شک میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔" (سورۃ البقرہ آیت نمبر 30)

5. تخلیق میں امتیاز:

اسلامی نظریہ کے مطابق اللہ کریم نے دیگر مخلوقات کو بھی پیدا فرمایا اور انسان کو بھی لیکن دیگر مخلوقات کی تخلیق "کن فیکون" کی قدرت سے ہوئی جب کہ انسانی تخلیق میں یہ امتیاز رکھا کہ انسان کو اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا۔ ابلیس کو مخاطب کر کے اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں کہ

یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ط

ترجمہ: "اے ابلیس! تجھے کیا چیز اس کو سجدہ کرنے سے مانع ہوئی جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے۔" (سورۃ ص آیت نمبر 75)

6. شاہکار فطرت:

قرآن حکیم یہ انسانی امتیاز بھی بتلاتا ہے کہ انسان کو "احسن تقویم" میں پیدا کیا گیا ہے اور "احسن" کا صیغہ انسان کے شاہکار فطرت ہونے کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اسی لئے انسان کو "اشرف المخلوقات" بھی کہا جاتا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝

ترجمہ: البتہ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔ (سورۃ التین آیت نمبر 4)

7. فوقیت علمی:

پیدائش کے فوراً بعد انسان کو علم بھی عطا کر دیا گیا اور اسے دیگر مخلوقات حتیٰ کہ فرشتوں پر بھی علمی لحاظ سے فوقیت دے دی گئی۔

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا

ترجمہ: اللہ نے آدم علیہ السلام کو ساری چیزوں کے نام سکھائے۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 31)

8. علمی فوقیت کا عملی اظہار:

قرآن حکیم کی رو سے اللہ کریم نے انسان کی علمی فوقیت کا ایک خاص انداز سے فرشتوں کے سامنے اظہار بھی فرمایا:

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ

ترجمہ: پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا "اگر تم سچے ہو تو ذرا ان چیزوں کے نام بتاؤ" انہوں نے عرض کیا "آپ کی ذات پاک ہے ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہم کو دے دیا ہے۔ بے شک آپ ہی جاننے والے حکمت والے ہیں۔" فرمایا "اے آدمؑ! انہیں ان چیزوں کے نام بتاؤ۔" (سورۃ البقرہ آیات نمبر 31، 32، 33)

9. مسجود ملائک:

علمی برتری اور فوقیت ثابت کرنے کے بعد فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ انسان کو سجدۂ تعظیمی کرو۔ پس فرشتوں نے تعمیل ارشاد ربانی میں انسان کے سامنے تعظیماً سجدہ کیا۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا

ترجمہ: پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم (علیہ السلام) کے آگے جھک جاؤ تو سب جھک گئے۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 34)

10. ابلیس راندۂ درگاہ:

شریعت اسلامیہ انسان کا یہ امتیاز بھی بتلاتی ہے کہ صرف انسان ہی کی وجہ سے اللہ رب العزت نے "عزازیل" کو ہمیشہ کے لیے نافرمان قرار دے دیا حالانکہ اس سے قبل "عزازیل" جنات میں سے ہونے کے باوجود اپنی کثرت عبادت و ریاضت کی وجہ سے فرشتوں میں شمار

کیا جا رہا تھا۔

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ ۫ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ○

ترجمہ: پس ابلیس کے علاوہ سب نے سجدہ کیا۔ اس نے انکار کیا اور تکبر میں پڑ گیا اور نافرمانوں میں سے ہو گیا۔
(سورۃ البقرہ آیت نمبر 34)

11. جنت پہلی قیام گاہ:

شریعت اسلامیہ کی رو سے انسان کو یہ مقام و مرتبہ بھی حاصل ہے کہ اس کی پہلی قیام گاہ جنت کو بنایا گیا۔

وَ قُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُکَ الْجَنَّۃَ

ترجمہ: پھر ہم نے آدم (علیہ السلام) سے کہا تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 35)

12. انعامات ربانیہ کا اولین مستحق:

اسلام ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ زمین کی تمام نعمتوں کو انسان کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس طرح اسلام کی رو سے انسان انعامات الہیہ کا اولین مستحق ہونے کا بھی اعزاز رکھتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ق

ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 29)

اور ان انعامات کو اللہ کریم نے انسان کی تخلیق سے بھی قبل انسان کے لیے پیدا فرمایا۔

13. حق ملکیت و تصرف:

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں "لَکُمْ" کا لفظ استعمال کر کے اشارہ فرمایا کہ زمین کی ہر چیز پر انسان کو حق ملکیت و تصرف بھی دیا گیا ہے۔ البتہ مالک و مختار حقیقی صرف اور صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔

14. تسخیر کائنات:

اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق زمین کی ہر چیز پر انسان کو صرف حق ملکیت و تصرف دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ہر چیز انسان کے لیے مسخر بھی کی گئی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ

ترجمہ: کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس نے وہ سب کچھ تمہارے لیے نفع کے کام میں لگا دیا ہے جو زمین میں ہے۔
(سورۃ الحج آیت نمبر 65)

15. صاحب اختیار:

اسلامی نظریہ کے مطابق زمین پر انسان کو کافی حد تک صاحب اختیار ہونے کا بھی امتیاز حاصل ہے۔

وَلَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ

ترجمہ: اور البتہ ہم نے تمہیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا۔ (سورۃ الاعراف آیت نمبر 10)

16. صفاتِ الٰہیہ کا مظہر:

شریعت اسلامیہ کی رو سے انسان کو یہ اعلیٰ مقام بھی حاصل ہے کہ انسان صفاتِ الٰہیہ کا مظہر ہے۔ جیسا کہ حدیث نبویؐ ہے کہ

"تخلقوا باخلاق اللہ۔"

(تم الٰہی اخلاق کو اپناؤ۔)

17. تکریم انسانی:

قرآن حکیم کی رو سے انسان کو عزت اور بزرگی اور تکریم کا حقدار قرار دیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ

ترجمہ: ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 70)

18. احترام آدمیت:

شریعت اسلامیہ نے احترام آدمیت کا درس دے کر بھی انسان اور انسانیت کے مقام کی نشاندہی کی ہے۔ قرآن حکیم نے ایک ایک آدمی کا بھی یہ مقام بتلایا ہے کہ ایک انسان کا قتل ناحق بھی گویا پوری انسانیت کا قتل ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ

ترجمہ: جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ (سورۃ المائدہ آیت نمبر 32)

19. توحید:

اسلام نے در در پر جھکنے والے انسانوں کی تذلیل کے مقابلہ میں توحید کا تصور پیش کیا جو انسانیت کو تذلیل سے نکالتا ہے۔ اسلام صرف ایک در پر جھکنے کی دعوت دیتا ہے اور وہ ایسا در ہے کہ جس کے سامنے جھکنے سے انسانی تذلیل نہیں ہوتی بلکہ انسانی وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔

الٓرٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ ۝ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ

ترجمہ: ال ر۔ یہ ایک کتاب ہے کہ جس کی آیتیں پختہ اور مفصل ارشاد ہوئی ہیں ایک دانا اور باخبر ہستی کی طرف سے کہ تم نہ بندگی کرو مگر صرف اللہ کی۔ (سورۃ ہود آیات نمبر 1، 2)

20. مساوات:

اسلام سے قبل تقریباً سبھی معاشروں میں ایک تو یہ کہ شرک کی وجہ سے تذلیل انسانیت تھی اور شرک کے علاوہ بھی تذلیل انسانیت کے کئی طرز تھے اور دوسرے یہ کہ اگر کسی معاشرہ میں کسی انسان کو کچھ مقام حاصل تھا بھی تو وہ کسی ایک یا چند انسانوں کو ہی حاصل تھا طبقاتی تقسیم اور آقا و غلام اور مرد و عورت کے فرق کی وجہ سے اس مقام اور شرف کے حقدار تمام افراد نہیں تھے۔ اسلام نے ایک طرف تو انسان کو ایک بلند مقام عطا کیا اور دوسری طرف یہ کہ وہ مقام کسی ایک فرد، ایک طبقہ، ایک گروہ یا چند افراد کو نہیں دیا بلکہ تمام انسانوں کو بحیثیت انسان برابر ٹھہرا کر اس شرف

اور مقام کا حقدار اور مستحق ہر انسان کو قرار دیا اور کنبے اور قبیلے نسلی امتیاز کی وجہ سے نہیں بلکہ شریعت اسلامیہ کی رو سے یہ صرف پہچان کے لیے ہیں۔ البتہ شریعت اسلامیہ میں ایک معیار فضیلت ہے اور وہ ہے تقویٰ۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْاؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْؕ

ترجمہ: لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ (سورۃ الحجرات آیت نمبر 13)

انسان کا منصب خلافت

اسلام نے انسانیت کا ایک شرف یہ بتلایا ہے کہ انسان کو زمین میں خلیفہ بنایا گیا ہے۔ خلیفہ کے مختلف معانی ملتے ہیں۔ معروف معانی یہ ہیں: جانشین، قائم مقام، نائب، کسی کے بعد آنے والا وغیرہ۔ قرآن حکیم نے انسان کو خلیفہ کہا ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةًؕ

ترجمہ: اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ "میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔" (سورۃ البقرہ آیت نمبر 30)

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓىِٕفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ

ترجمہ: وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلہ میں زیادہ بلند درجات دیے۔ (سورۃ الانعام آیت نمبر 165)

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِؕ

ترجمہ: کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جب کہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکالیف رفع کرتا ہے؟ اور (کون ہے جو) تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ (سورۃ النمل آیت نمبر 62)

شریعت اسلامیہ کی رو سے انسان کا منصب خلافت تو متعین ہو چکا لیکن ابھی یہ سوال باقی ہے کہ کیا تمام انسانیت کو خلیفہ قرار دیا گیا ہے؟ یا کسی ایک یا چند مخصوص ہستیوں کو اس منصب سے سرفراز فرمایا گیا ہے؟ دوسرے یہ کہ انسان کو خلیفہ قرار دینے سے مراد کیا ہے؟ اور تیسرے یہ کہ انسان کا منصب خلافت کن امور کا تقاضا کرتا ہے؟ اب ہم ان سوالوں پر نظر کرتے ہیں۔

خلافت کا مصداق کون؟

اس سلسلہ میں عموماً ہمارے سامنے تین نظریات آتے ہیں: اول یہ کہ صرف حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ قرار دیا گیا ہے، دوم یہ کہ تمام انبیاء کو اور پھر ختم نبوت کے بعد بھی امت محمدیہ کے چیدہ چیدہ افراد کو خلیفہ قرار دیا گیا ہے اور سوم یہ کہ تمام نسل انسانی کو خلیفہ قرار دیا گیا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 30 کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

"اب ایک بڑی نعمت کا ذکر کیا جاتا ہے جو جملہ بنی آدم پر کی گئی اور وہ حضرت آدم علیہ السلام کی آفرینش کا قصہ ہے جو تفصیل سے بیان کیا گیا اور ان کو خلیفۃ اللہ بنایا گیا۔"

ان الفاظ میں پوری طرح واضح نہیں ہوتا کہ مولانا کا خلافت کے متعلق کیا نظریہ ہے کہ تمام نسل انسانی کو خلافت عطاء کی گئی ہے یا صرف حضرت آدم علیہ السلام کو اور ان کے خیال میں تبلہ بنی آدم پر کی گئی نعمت سے مراد آفرینش ہے یا خلافت۔ اس کے بعد آیت نمبر 34 کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

''جب حضرت آدم علیہ السلام کا خلیفہ ہونا مسلم ہو چکا۔''

ان الفاظ سے محسوس ہوتا ہے کہ مولانا عثمانیؒ کے خیال میں صرف حضرت آدم علیہ السلام کو منصب خلافت عطاء کیا گیا۔ البتہ سورۃ الانعام کی آیت نمبر 165 اور پھر سورۃ النمل کی آیت نمبر 62 کی تفسیر میں مولانا عثمانیؒ کا نظریہ واضح ہوتا ہے کہ وہ تمام بنی نوع انسان کی خلافت کے قائل ہیں۔

مولانا مفتی محمد شفیعؒ انبیاء کرامؑ کی خلافت کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔ آپؒ کے خیال میں حضور اکرم ﷺ خداوند قدوس کے آخری خلیفہ ہیں۔ آپؐ کے بعد خلافت الٰہیہ کا سلسلہ ختم ہو چکا۔ البتہ آپؐ کے بعد خلفائے راشدین خلیفۃ الرسولؐ ہیں اور ان کے بعد کوئی اس خلیفۃ الرسولؐ کے منصب کا بھی مستحق نہیں ہوا۔

مولانا مودودی تفہیم القرآن میں سورۃ الانعام کی آیت نمبر 165 کی تفسیر میں واضح طور پر لکھتے ہیں کہ

''تمام انسان زمین میں خدا کے خلیفہ ہیں۔''

علامہ ابن کثیرؒ بھی واضح طور پر تمام نسل انسانی کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ

''خلیفہ سے مراد یہ ہے کہ ان کے بعض، بعض کے جانشین ہوں گے یکے بعد دیگرے اور ایک زمانہ کے بعد دوسرے زمانہ میں یونہی قرنوں تک یہ سلسلہ رہے گا۔''

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کے الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ وہ جواہر القرآن میں لکھتے ہیں کہ

''خلیفہ اسے کہتے ہیں جو کسی دوسرے کے بعد اس کی جگہ اس کے فرائض سنبھالے۔''

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ

''اللہ ہی نے تم کو تمہارے آباؤ اجداد کا جانشین بنایا ہے اور مختلف خوبیوں اور نعمتوں میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔''

ابن اسحٰق کا کہنا ہے کہ

''مراد یہ ہے کہ زمین کا ساکن۔ اس کی آبادی کرنے والا۔''

ان الفاظ سے ابن اسحٰق کا نظریہ بھی یہی سامنے آتا ہے کہ ان کے خیال میں بھی تمام نسل انسانی ہی خلیفہ ہے۔ ان تمام مفسرین کی آراء کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اکثر مفسرین کے نزدیک خلیفہ کا مصداق تمام نسل انسانی ہے اور سورۃ الانعام اور سورۃ النمل کی آیات سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

خلافت انسانی سے مراد:

یہ بات طے ہو چکی ہے کہ صرف حضرت آدم علیہ السلام یا صرف انبیاء کرامؑ کو نہیں بلکہ تمام نسل انسانی کو خلیفہ قرار دیا گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ انسان کو خلیفہ قرار دینے سے مراد کیا ہے؟ اس کے متعلق ہمارے سامنے دو نظریات آتے ہیں: ایک یہ کہ چونکہ انسان نسل در نسل ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں اس لیے انسان کو خلیفہ کہہ دیا گیا ہے کیونکہ خلیفہ کا معنی ہے کسی کے بعد آنے والا۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ انسان کو زمین کا نظام چلانے کے لیے کچھ اختیارات دیے گئے ہیں اس لیے انسان کو زمین میں ایک خلیفہ کہا گیا ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے پہلے نظریہ کو تسلیم کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

THE CSS POINT
Yes We Can Do It!

''لیکن یہ یاد رہے کہ یہاں مراد خلافت سے ایک زمانہ والوں کا دوسرے زمانہ والوں کے بعد آنا ہے۔''

مولانا مودودی نے دونوں نظریات کو نقل کر دیا ہے۔ مولانا تفہیم القرآن میں رقمطراز ہیں کہ

''اس کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ ایک نسل کے بعد دوسری نسل اور ایک قوم کے بعد دوسری قوم اٹھاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ تم کو زمین میں تصرف اور فرمانروائی کے اختیارات عطا کرتا ہے۔''

ہمیں یہ بات بھی مدنظر رکھنا ہوگی کہ پہلے نظریہ کے حق میں بہت سی آیات سے تائید ملتی ہے۔ مثلاً قوم عاد سے کہا گیا ہے کہ انہیں قوم نوح علیہ السلام کے بعد خلیفہ بنایا گیا تھا' قوم ثمود سے کہا گیا کہ انہیں قوم عاد کے بعد خلیفہ بنایا گیا تھا۔ اسی طرح قوم نوح علیہ السلام کے متعلق کہا ہے کہ ان کو کشتی میں نجات دی گئی اور انہیں خلیفہ بنایا گیا۔ لیکن اس نظریہ پر ایک سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر صرف ایک نسل کے بعد دوسری نسل آنے کی وجہ سے انسان کو خلیفہ کہا گیا ہے تو یہ چیز تو جانوروں اور پرندوں میں بھی موجود ہے' ان کو خلیفہ کیوں نہیں کہا گیا؟ صرف انسان کو ہی یہ امتیاز کیوں دیا گیا؟ اسی طرح دوسرے نظریہ کے حق میں بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ قرآن حکیم کے بیان کے مطابق آسمانوں' زمین اور پہاڑوں کو ایک امانت پیش کی گئی لیکن انہوں نے اپنے آپ کو اس امانت کے بوجھ کا حقدار نہ سمجھتے ہوئے انکار کر دیا تو انسان نے اس امانت کو قبول کر لیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو یقیناً کوئی خاص چیز دی گئی ہے اور وہ خاص چیز شریعت اور اس کے احکام کے عملی نفاذ کی ذمہ داری ہے' چنانچہ انسان کو کچھ اختیارات بھی دیئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن حکیم انسان کے لیے کائنات کے مسخر کرنے کا ذکر کرتا ہے' اس سے بھی انسانی اختیارات کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

ہمارے خیال میں اس مسئلہ کا بہترین حل یہ ہے کہ ہم دونوں نظریات کو بیک وقت تسلیم کرلیں۔ یہ اس طرح ممکن ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ پہلے نظریہ یا معنی کی تائید واضح طور پر دیگر آیات سے ہو رہی ہے' اس لیے ہم معنی تو یہی لیتے ہیں کہ خلیفہ انسان کو اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ ایک نسل کے بعد دوسری نسل آتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ باقی جاندار مخلوقات بھی اگرچہ نسل در نسل چلتی ہیں لیکن انہیں خلیفہ نہیں کہا گیا اور انسان کو خلیفہ کہا گیا ہے' اس سے یہ اشارہ بھی ہو گیا کہ انسان کو کسی حد تک صاحب اختیار ہونے کی وجہ سے بھی یہ لفظ انسان کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ہماری اس تعبیر سے دونوں معانی و نظریات بھی تسلیم ہو جاتے ہیں اور پہلے نظریہ پر جو سوال اٹھتا ہے' اس کا بھی حل ہو جاتا ہے۔ ہمیں اپنی اس تعبیر کی تائید میں مفسرین کی آراء بھی ملتی ہیں۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ

''خلیفہ وہ ہے جو کسی کی جگہ آئے اور اس کا قائم مقام ہو۔''

ان الفاظ میں امام رازی نے دونوں باتوں کو یکجا کر دیا ہے۔ دوسرے کی جگہ آنا واضح طور پر مذکور ہے اور قائم مقام کے لفظ سے یہ اشارہ بھی ہو گیا کہ وہ بااختیار بھی ہوگا کیونکہ قائم مقام ظاہر ہے کچھ اختیارات کے استعمال کے لیے ہی ہوگا۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ نے بھی اپنے الفاظ میں یہی تعبیر کی ہے۔ آپؒ لکھتے ہیں کہ

''خلیفہ اسے کہتے ہیں جو کسی دوسرے کے بعد اس کی جگہ اس کے فرائض سنبھالے۔''

مولانا شبیر احمد عثمانی کے الفاظ اس سلسلہ میں بہت واضح ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ

''یعنی ایک قوم یا نسل کو اٹھا لیتا اور اس کی جگہ دوسری کو آباد کرتا ہے جو زمین میں مالکانہ اور بادشاہانہ تصرف کرتے ہیں۔''

منصب خلافت کے تقاضے:

مولانا مودودی نے چھ امور گنوائے ہیں جو کہ منصب خلافت کا تقاضا ہیں۔ ہم ان امور کا مختصر ذکر کرتے ہیں:

1. انسان صرف اور صرف خدا کا ماتحت ہے اور اسے صرف اس کا ماتحت بن کر رہنا چاہیے۔ دیگر مخلوقات انسان کے ماتحت ہیں' اس لیے اگر انسان ان میں سے کسی کے آگے جھکنا شروع کر دے تو یہ اس کی ذات کی تذلیل ہے' اپنے آپ پر ظلم ہے اور منصب اور منصب خلافت سے دستبرداری کا اظہار ہے۔

2. نائب کو اپنے آپ کو آقا نہیں سمجھ لینا چاہیے بلکہ وہ صرف آقا کا نمائندہ ہے اور جو کچھ اس نے ... وہ اس پر امانت کی حیثیت رکھتا ہے اور خود اس کا اپنا نفس بھی اسی امانت میں شامل ہے۔

3. نائب کے اعمال قوانین الٰہیہ کے مطابق اتفاقاً نہیں ہونے چاہئیں بلکہ قصداً آقا کی رضا کے حصول کے لیے ہونے چاہئیں۔ اگر وہ آقا کا اقتدار اعلیٰ تسلیم نہ کرتے ہوئے ان قوانین پر عمل کر رہا ہے تو وہ اجر کا طالب ہونے کا حقدار نہیں ہے۔

4. نائب کو چاہیے کہ وہ "تخلقوا باخلاق الله" کے مطابق صفات الٰہیہ کا صحیح مظہر بننے کی کوشش کرے۔

5. نائب کو یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ وہ صرف اپنی زندگی میں یہ حق خلافت رکھتا ہے اور مرنے کے بعد اس کو اس کے لیے جوابدہ بھی ہونا ہوگا۔

6. نائب کو یہ بھی خیال رکھنا ہوگا کہ نائب ہونے کی حیثیت سے وہ اپنے افعال کا صرف اور صرف خود ذمہ دار ہے۔

مولانا مودودی کے بیان کردہ ان چھ امور کے علاوہ اس سلسلہ میں حسب ذیل اہم نکات کا ذکر بھی ضروری ہے:

1. نائب یا خلیفہ کلی اختیارات کا حامل نہیں ہوتا اس کے اختیارات کچھ حدود میں محدود ہوتے ہیں۔

2. نائب یا خلیفہ خود اپنے احکام لاگو نہیں کر سکتا بلکہ وہ صرف احکامات الٰہیہ کی تشریح و توضیح اور ان کا نفاذ کرنے یا کروانے کا اختیار رکھتا ہے۔

3. خلیفۃ اللہ سے مراد یہ ہرگز نہیں ہے کہ (معاذ اللہ) خدا کی جگہ یا اس کی غیر موجودگی میں انتظام چلانے والا۔ کیونکہ اس ذات باری کے کسی جگہ غیر موجود ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور وہ اپنے افعال میں قادر مطلق ہے۔ اس کی جگہ اس کے امور کی انجام دہی کسی اور کو کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہو سکتی۔

☆

اسلام کے بنیادی عقائد

ہر باشعور آدمی ایک سوچ، ایک فکر اور ایک رجحان فکر ضرور رکھتا ہے اور اس کی سوچ کی بنیاد کسی مخصوص نظریہ پر ہوتی ہے۔ اس نظریہ کے لیے ہم عقیدہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ عقائد عقیدہ کی جمع ہے۔ جب ہم اسلام کے بنیادی عقائد کی بات کرتے ہیں تو ہمیں پانچ ایسے عقائد ملتے ہیں جنہیں صحیح معنوں میں بنیادی قرار دیا جا سکتا ہے۔ انہیں ایمانیات کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ یہ پانچ بنیادی عقائد حسب ذیل ہیں:

1. ایمان باللہ
2. ایمان بالرسل
3. ایمان بالملائکہ
4. ایمان بالکتب
5. ایمان بالآخرت

ان میں سے اگر ہم بغور مشاہدہ کریں تو ایمان باللہ، ایمان بالرسل اور ایمان بالآخرت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس لیے ہم اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے اس باب میں صرف توحید، رسالت اور آخرت پر ہی بحث کر رہے ہیں۔

توحید

معنی و مفہوم:

لفظ "توحید" باب تفعیل سے مصدر ہے۔ اس کا مادہ (و۔ح۔د) ہے۔ ضرب یضرب کے باب سے وحد یحد کا معنی ہے اکیلا ہونا اور باب تفعیل سے توحید کا معنی ہے ایک ماننا یا ایک تسلیم کرنا۔ شریعت اسلامیہ میں توحید اللہ کریم کی وحدانیت کے اعتقاد کا نام ہے کہ اللہ کریم اپنی ذات، صفات اور عبادات میں وحدہ لاشریک ہے۔

ذات میں وحدہ لاشریک ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ صرف اور صرف ایک ہے۔ وہ تین یا زیادہ خدا نہیں اس کا کوئی خاندان یا کنبہ وقبیلہ اور برادری وغیرہ بھی نہیں ہے۔ نہ اس کا کوئی باپ ہے نہ بیٹا' اس کی مثل بھی کوئی اور نہیں ہے۔ کوئی اور اس کی ہمسری کے دعویٰ میں سچا نہیں ہوسکتا اور یہ کہ اس کو کسی معاون یا مددگار وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں ہے' وہ معاون و مددگار سے بے نیاز ہے۔ صفات میں وحدہ لاشریک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو جو صفات اللہ رب العزت کی ذات اقدس میں موجود ہیں وہ صفات صرف اور صرف اسی رب ذوالجلال والاکرام کے لیے ہی اس شان سے ثابت ہیں' کسی اور میں وہ صفات اس شان سے موجود نہیں ہوسکتیں کہ جس شان سے وہ صفات ذات باری تعالیٰ میں موجود ہیں۔ عبادات میں وحدہ لاشریک ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ ہر ایسا فعل کہ جسے عبادت قرار دیا جاسکتا ہے' وہ اگر روا ہوسکتا ہے تو اسی وحدہ لاشریک ذات کے لیے ہوسکتا ہے' کسی اور کے لیے روا نہیں ہوسکتا۔

وجود باری تعالیٰ:

عقیدۂ توحید کو ثابت کرنے سے قبل وجود باری تعالیٰ کو ثابت کرنا ضروری ہے لیکن یہ کوئی ریاضیاتی یا کیمیائی مسئلہ نہیں ہے کہ جسے 2 + 2 = 4 یا H_2O کہہ کر حل کر دیا جائے بلکہ یہ ایک مابعد الطبیعیاتی امر ہے کہ جس کے لیے ہمیں اپنی قوت مشاہدہ کو استعمال کرنا ہوگا۔

''خدا موجود ہے'' اور ''خدا موجود نہیں ہے'' کے دو نظریات میں سے پہلا نظریہ اسلامی ہے جب کہ دوسرا نظریہ غیر اسلامی ہے۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے کہ غیر اسلامی نظریہ سائنسی نظریہ ہے کیونکہ سائنس کا تعلق محسوسات سے ہے اور یہ مسئلہ محسوسات سے ماورا ہے۔ بقول پروفیسر لیتر

> ''ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ کسی ازلی یا ابدی وجود کا انکار کریں جس طرح ہمارا کام یہ بھی نہیں ہے کہ ہم اس کو ثابت کریں۔ ہمارا کام نفی و اثبات دونوں سے الگ ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ سائنس نے خدا کے اثبات یا نفی کے متعلق کوئی کام نہیں کیا اور نہ ہی یہ سائنس کے دائرۂ کار میں شامل ہے۔ البتہ سائنس میں ارتقائی نظریہ سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ سائنس خدا کا انکار کرتی ہے۔

تخلیق کائنات کے مدارج کے متعلق ارتقائی نظریہ کو کسی حد تک درست تسلیم کیا جاسکتا ہے' اگر اس ارتقاء کو خداوند قدوس کی حکمت عملی قرار دیا جائے البتہ اگر ارتقائی نظریہ کو بغیر کسی خالق کی حکمت عملی کے خود بخود سمجھا جائے تو یہ بالکل غلط ہوگا کیونکہ اس کے لیے ہمیں چند امور کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

1. مادہ یا تو ازلی و ابدی ہے اور اگر ازلی و ابدی نہیں ہے تو اس نے اپنی تخلیق خود کی ہے۔
2. بے شمار اتفاقات کے نتیجہ میں اس مادہ سے بہت کچھ پیدا ہوا ہے۔
3. ارتقائی عمل کے ذریعے اس مادہ نے اپنی کئی شکلیں تبدیل کی ہیں۔

یہ تین امور ہیں کہ جن کو تسلیم کیے بغیر ارتقائی نظریہ کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا' جب کہ ہمارے خیال میں ان میں سے کسی بھی امر کو درست تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

پہلے امر کا پہلا حصہ یہ ہے کہ مادہ کو ازلی و ابدی تسلیم کیا جائے۔ اس سلسلہ میں جان کلیو ی لینڈ (پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ماہر ریاضی و کیمیا) کے یہ الفاظ قابل غور ہیں کہ

> ''مادہ کبھی فنا نہیں ہوتا صرف اپنی شکل تبدیل کر لیتا ہے۔ مثلاً کاغذ جلانے سے راکھ اور حرارت بن جاتا ہے۔''

پہلے امر کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مادہ نے اپنی تخلیق خود کی ہے۔ اس کے لیے ہم جارج ارل ڈیوس (پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ماہر طبیعیات) کی رائے دیکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ

> ''جب ہم خدا کے وجود یا عدم وجود کو ثابت نہیں کر سکتے تو ہمارے لیے بہترین صورت یہ ہے کہ ہم جو کچھ

کی اس کائنات کے بارے میں معلومات رکھتے ہیں ان کے ... ایسا کوئی ... ان پرانی معلومات

کو بنیاد مان کر کوئی منطقی اعتراض نہ ہو سکے جو اس کائنات کے بارے میں ہمیں حاصل ہو چکی ہیں' صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ کوئی مادی شے خود اپنی تخلیق پر قادر نہیں ہے۔"

دوسرا امر یہ ہے کہ بے شمار اتفاقات کو تسلیم کیا جائے۔ اس سلسلہ میں محترم خورشید احمد کے خوبصورت الفاظ ملاحظہ ہوں۔ وہ "اسلامی نظریہ حیات" میں لکھتے ہیں کہ

"کیا کبھی ایسا اتفاق بھی واقعہ ہوا ہے کہ حروف کو ایک ڈبے میں ڈال کر ہلایا گیا ہو اور جب ان کو دوبارہ زمین پر ڈالا گیا ہو تو ان سے ایک مربوط عبارت بن گئی ہو؟"

تیسرا امر ایک ایسے ارتقاء کو تسلیم کرنا ہے کہ جسے تسلیم کرنا بالکل خلاف عقل ہے۔ محترم خورشید احمد کے بقول

"جو بات خدا کے وجود کے حق میں کہی جاتی ہے' وہ یہ ہے کہ انسان ذی شعور ہستی ہے اور مادہ شعور سے محروم ہے۔ سوال یہ ہے کہ شعور سے ایک محروم چیز یعنی مادہ ایک صاحب شعور کو کیسے جنم دے سکتا ہے؟ اس لیے کہ شعور مجرد مادے سے بہت بلند ہے لیکن اگر خدا کو جو خود صاحب شعور ہے تسلیم کر لیا جائے تو یہ مشکل رفع ہو جاتی ہے۔"

جب یہ تینوں امور غلط ثابت ہوں گے تو خود بخود ارتقاء کے نظریہ کو کسی بھی طرح درست قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ اس کے برعکس "خدا موجود ہے" کے نظریہ کو بہرحال تسلیم کرنا ہوگا جس کے بے شمار شواہد ملتے ہیں۔ پروفیسر فرینک ایلن کرۂ ارض کے انتظامات کا تجزیہ کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں زمین کی گردش ختم کر دی جائے یا سمندروں اور ہواؤں کے ہم آہنگ نظام میں تبدیلی کر دی جائے یا پانی میں موجود خصوصیات ختم کر دی جائیں یا زمین کا قطر موجودہ کی نسبت چھوٹا یا بڑا کر دیا جائے یا سورج اور زمین کے فاصلہ میں کمی بیشی کر دی جائے تو ان ساری صورتوں میں نظام حیات درہم برہم ہو جائے۔ تو کیا یہ ساری منظم و مربوط صورت حال صرف اتفاقات کا نتیجہ قرار دی جا سکتی ہے۔ جب کہ اتفاقات کا حال یہ ہے کہ پروٹین کو دیکھیے وہ تمام ذی حیات خلیوں کے اجزائے لازم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فرینک ایلن کہتا ہے کہ ایک پروٹینی سالمہ میں پانچ عناصر ہوتے ہیں اور کائنات میں منتشر 92 عناصر میں سے ان پانچ عناصر کے ایک خاص ترتیب سے مل کر سالمہ تیار ہونے کے متعلق فرینک ایلن کہتا ہے کہ

"سوئٹزرلینڈ کے ایک حساب دان چارلس ایوجین گائی نے اس کا حساب لگایا ہے اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس طرح کے کسی اتفاقی واقعے کا امکان 10^{160} کے مقابلے میں صرف ایک درجہ ہو سکتا ہے۔ واضح رہے کہ 10^{160} کا مطلب یہ ہے کہ دس کو ایک سو ساٹھ مرتبہ پے در پے ضرب دی جائے۔ گویا یہ ایک ایسا بعید از امکان قیاس ہے کہ اعداد کی زبان میں اس کا اظہار بھی مشکل ہے۔

صرف ایک پروٹینی سالمے کے اتفاقاً وجود میں آنے کے لیے اس پوری کائنات کے موجودہ مادے سے کروڑوں گنا زیادہ مقدار مادہ مطلوب ہوگی جسے یکجا کر کے ہلایا جائے اور اس عمل سے کوئی نتیجہ برآمد ہونے کا امکان اربوں (10^{243}) سال کے بعد پیدا ہوگا۔"

حقیقت یہ ہے کہ کائنات کی چھوٹی سے چھوٹی اور حقیر سے حقیر چیز میں بھی ایسے شواہد موجود ملتے ہیں کہ اگر ان پر غور کرنے کے بعد کوئی فیصلہ ہوگا تو وہ یقیناً یہی فیصلہ ہوگا کہ "خدا موجود ہے"۔ ایڈورڈ لوتھر کیسل کا کہنا ہے کہ

"میں نے کیڑوں مکوڑوں کے تناسل اور ان کی ہیئت کی تبدیلیوں کے محدود دائرے کے اندر جو تحقیقیں کی ہیں ان سے ایسے بے شمار دلائل و شواہد مجھے مہیا ہوئے جو اس کائنات میں ایک نظم اور ایک ضابطے کی موجودگی کا ناقابل تردید ثبوت ہیں۔"

"تنہا گھاس کے چھوٹے پودے ہی کو لے لیجیے جو سڑک کے کنارے اُگ آتا ہے' کیا انسان کی بنائی ہوئی تمام حیرت انگیز مشینوں میں سے کوئی مشین اس کی برابری کر سکتی ہے۔ یہ ایک ایسی زندہ مشین ہے جو بغیر دخل اندازی دن رات مسلسل ہزاروں پیچیدہ قسم کے کیمیاوی اور طبیعیاتی ردِعمل کا مظاہرہ کرتی رہتی ہے۔"

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ "خدا موجود ہے" کے نظریہ کے بے شمار شواہد اور دلائل موجود ہیں اور ہم کسی کتاب میں ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ ہم اختصار کے پیشِ نظر اپنے دلائل کو حضرت علیؓ کے اس قول کے ساتھ سمیٹتے ہیں کہ

"میں نے اپنے رب کو ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا۔"

البتہ ایک سوال باقی ہے جو اکثر کیا جاتا ہے کہ خدا کا خالق کون ہے؟ ہمارے خیال میں اگر اس کا جواب دے کر خدا کا کوئی خالق قرار دے بھی لیا جائے تو یہ سوال تو پھر بھی برقرار ہی رہے گا کہ پھر اس خالق کا خالق کون تھا؟ اس طرح یہ ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو کہ ہماری محدود عقل اور سوچ سے ماوراء ہے۔ البتہ عقل یہ تسلیم کرتی ہے کہ کائنات کی ہر چیز کے خود بخود ہونے سے یہ مان لینا کہیں آسان ہے کہ صرف ایک ہستی خود بخود ہے اور باقی سب کچھ اس قادر مطلق ہستی کی تخلیق ہے۔ ماہر ریاضی و طبیعیات ڈاللڈ ہنری پورٹر کہتے ہیں کہ

"برطانیہ کے ریاضی دان اور معروف فلسفی برٹرینڈ رسل نے خدا کے وجود کو تسلیم کرنے سے محض اس بنا پر انکار کر دیا کہ وہ اس سوال کا کوئی جواب نہ پا سکا کہ اگر خدا اس کائنات کا خالق ہے تو (العیاذ باللہ) خدا کا خالق کون ہے؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ برٹرینڈ رسل علت و معلول کی بحث میں بڑی گہرائیوں تک جا پہنچا لیکن جب سائنس کے تقریباً ہر کلیے کا یہ حال ہو کہ اس سے پیدا ہونے والے بے شمار سوالوں کا کوئی جواب ہمارے پاس نہ ہو۔ آخر اس میں کیا معقولیت ہے کہ ہم وجود باری کے سلسلے میں ایک سوال کا جواب معلوم نہ کر سکنے پر سرے سے اس حقیقت ہی سے انکار کر دیں۔"

ہماری مذکورہ بالا بحث سے ثابت ہوا کہ عقل اور سائنس میں سے کوئی بھی وجود باری تعالیٰ کا انکار نہیں کرتی بلکہ دونوں تائید ہی کرتی ہیں۔ والٹرایڈورڈ لیرٹس کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان اس لیے رکھتا ہوں کہ میرے والدین نے مجھے ایمان کی دولت عطا کی لیکن

"میرے والدین نے مجھے پریوں کے قصے بھی یاد کرائے تھے جن کی پرلطف حقیقت مجھ پر جلد ہی کھل گئی۔"

ڈاکٹر لی کامتے ڈونوائے اپنی کتاب "تقدیر انسانیت" میں رقمطراز ہیں کہ

"اگر ہم سائنس کے جمع شدہ سرمایہ کا تنقیدی مطالعہ کریں اور اس سے منطقی اور عقلی نتائج مستنبط کریں تو یہ نتائج لازمی طور پر ہمیں خدا تک لے آتے ہیں۔"

اور مسٹر آرتھر کیتھ کہتے ہیں کہ

"خواہ ہم عامی ہوں یا سائنسدان' ہمیں کائنات کے لیے ایک حاکم اعلیٰ کو ماننا پڑے گا۔"

دلائلِ توحید:

وجود باری تعالیٰ کو تسلیم کرنے کے بعد اس خالق و مالک ذات کی وحدانیت پر یہی دلیل کافی ہے کہ اگر خدا ایک سے زیادہ ہوتے تو دنیا کا نظام قائم نہ رہ سکتا تھا۔

فرض کریں کہ خدا دو یا دو سے زیادہ ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ سب مکمل بااختیار ہیں یا انہوں نے آپس میں اختیارات تقسیم کر رکھے ہیں یا انہوں نے علاقے تقسیم کر رکھے ہیں؟ اگر ان سب کو مکمل بااختیار مان لیا جائے تو کیا ان میں اختلاف رائے نہیں ہوتا؟ اور اگر ان میں اختلاف رائے ہو جائے تو فیصلہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ اگر وہ سب اپنی رائے پر ڈٹ جائیں تو کیا وہ آپس میں لڑیں جھگڑیں گے اور اگر وہ

آپس میں الجھ پڑیں تو کیا دنیا کا نظام چلتا رہے گا؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔

اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ انہوں نے اختیارات تقسیم کر رکھے ہیں تو کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ تقسیم اختیارات کے معاملہ میں ان میں اختلاف پیدا ہوجائے؟ اگر ایسی صورت حال پیدا ہوجائے تو فیصلہ کون کرے گا؟ ظاہر ہے کہ وہ تو خود خدا تسلیم کئے گئے ہیں اور ان کے علاوہ باقی سب مخلوقات ہیں، تو کیا خداؤں کے آپس کے اختلافات کا فیصلہ کرنے کی مخلوقات میں سے کوئی جرأت کر سکے گا؟ اور اگر فرض کریں کہ تقسیم اختیارات بحسن وخوبی امن وسکون سے ہو بھی جائے تو کیا استعمال اختیارات میں ان میں اختلافات نہیں پیدا ہوسکتے؟ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک کا اختیار آندھی پر ہے دوسرے کا بارش پر۔ اب جس کا اختیار بارش پر ہے وہ ایک جگہ بارش برسانا چاہتا ہے۔ دوسرا اسی جگہ پر آندھی لانا چاہتا ہے۔ بارش کے اختیار والا بادل لے آئے ادھر آندھی پر اختیار والا اس جگہ آندھی لے آئے اور بادلوں کو اڑا کر دور پہنچادے تو اب بارش والا خدا اس سے جھگڑے گا کہ میں یہاں بارش برسانا چاہتا تھا تو آندھی کیوں لے آیا۔ اس قسم کی صورت حال میں وہ آپس میں فیصلہ کیسے کریں گے؟ اور دنیا کا نظام کیا ایسی صورت حال میں برقرار رہ سکے گا؟

اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ انہوں نے آپس میں علاقے تقسیم کر رکھے ہیں۔ تو کیا وہ کبھی دوسرے کے علاقے پر قبضہ کی کوشش نہیں کرتے؟ اور اگر وہ ایسی کوئی کوشش کرگزریں تو فیصلہ کیسے ہوگا؟ کیا نظام کائنات درہم برہم نہ ہوجائے گا؟ اچھا فرض کریں کہ ان میں اس بات پر اتفاق رہتا ہے کہ دوسرے کے علاقہ پر قبضہ نہیں کرنا تو کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ زمین اور سیارے جو مسلسل گردش کررہے ہیں، کبھی ایک علاقہ میں ہوتے ہیں، کبھی دوسرے علاقہ میں، تو اب اگر ایک علاقہ کا خدا اور ہو دوسرے کا اور ہو تو زمین اور دیگر سیارے جب گردش کے دوران مختلف علاقوں سے گزرتے ہیں تو اب ان پر اختیارات کا خداؤں کے درمیان جھگڑا ہوجائے؟ ایک خدا اپنے علاقہ میں موجود ہوتے وقت زمین پر کوئی ایسا تصرف کردے جو دوسرے خدا کو ناپسند ہو تو کیا ایسی صورت میں جھگڑا نہ کھڑا ہوجائے گا؟ یا فرض کریں کہ علاقوں کی تقسیم اس طرح سے ہو کہ زمین ایک خدا کے اختیار میں ہے، چاند دوسرے خدا کے اختیار میں، تو اب اگر زمین کا کوئی باسی چاند پر پہنچ جائے تو وہ کس خدا کو راضی کرے گا؟ کیا اس آدمی کے متعلق خداؤں کا آپس میں اختلاف نہ ہوجائے گا؟ تو ایسے اختلافات میں کیا نظام کائنات برقرار رہ سکے گا؟

ہماری مذکورہ بالا بحث کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا ایک سے زیادہ کسی صورت میں نہیں ہوسکتے۔ اگر ایک سے زیادہ خدا ہوں تو نظام کائنات درہم برہم ہوجائے۔ قرآن حکیم کے الفاظ میں

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ

ترجمہ: اگر آسمان وزمین میں ایک اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو (زمین وآسمان) دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔ (سورۃ الانبیاء آیت نمبر 22)

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ

ترجمہ: اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا ہے اور کوئی دوسرا خدا اس کے ساتھ نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی خلق کو لے کر الگ ہوجاتا اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے۔ (سورۃ المؤمنون آیت نمبر 91)

توحید قرآن وحدیث کی روشنی میں

بنظر عمیق اگر قرآن حکیم کا مطالعہ کیا جائے تو ہم یہ محسوس کریں گے کہ قرآن حکیم کی ہر آیت میں بیان توحید موجود ہے اور اگر ہم صرف واضح آیات توحید ہی دیکھیں تو وہ بھی اس قدر ہیں کہ ایک مختصر کتاب میں انہیں یکجا نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح توحید کے متعلق ذخیرۂ احادیث بھی کافی طویل ہے۔ ذیل میں ہم صرف چند آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا ذکر کررہے ہیں جو کہ اثبات توحید میں یا ردِ شرک میں ہیں۔ اثبات توحید کے ساتھ ساتھ ردِ شرک انتہائی ضروری ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک شرک کا ذکر نہ ہو، توحید کا صحیح تصور بھی معلوم نہیں

ہوسکتا۔

آیات قرآنیہ:

☆ وَ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝

ترجمہ: اور تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ رحمٰن اور رحیم ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 163)

☆ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَ خَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ

ترجمہ: (اے محمد ﷺ!) ان سے کہو کبھی تم نے یہ سوچا کہ اگر اللہ تمہاری بینائی اور سماعت تم سے چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر کردے تو اللہ کے سوا اور کون سا خدا ہے جو یہ قوتیں تمہیں واپس دلا سکتا ہو۔ (سورۃ الانعام آیت نمبر 46)

☆ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ

ترجمہ: خبردار ہو جاؤ! حکم کے سارے اختیارات اسی کو حاصل ہیں۔ (سورۃ الانعام آیت نمبر 62)

☆ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْـحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ وَ لَا يَـــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝

ترجمہ: اللہ (کے سوا) کوئی معبود نہیں مگر وہی۔ وہ زندہ ہے اور تھامنے والا ہے۔ نہ اسے نیند آتی ہے اور نہ اسے اونگھ آتی ہے۔ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔ جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے اس سے بھی وہ واقف ہے اور اس کی معلومات میں سے کوئی چیز ان کی گرفت اور ادراک میں نہیں آسکتی اِلّا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے۔ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر وسعت رکھتی ہے اور ان کی نگہبانی اس کو تھکاتی نہیں ہے اور وہ بڑا عظمت والا ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 255)

☆ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ

ترجمہ: تو اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا ورنہ ملامت زدہ اور بے یار و مددگار بیٹھا رہ جائے گا۔ تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیات نمبر 22، 23)

☆ اِنَّمَآ اِلٰـهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ

ترجمہ: سوائے اس کے نہیں کہ تمہارا خدا تو بس ایک ہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔ (سورۃ طٰہٰ آیت نمبر 98)

☆ قُلْ إِنَّمَآ أَنَا مُنذِرٌ ۖ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا ٱللَّهُ ٱلْوَٰحِدُ ٱلْقَهَّارُ ۝

ترجمہ: (اے نبی ﷺ!) ان سے کہو میں تو بس خبردار کر دینے والا ہوں اور کوئی حقیقی معبود نہیں مگر اللہ جو یکتا ہے سب پر غالب ہے۔ (سورۃ ص آیت نمبر 65)

☆ فَٱعْبُدِ ٱللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ ٱلدِّينَ ۝

ترجمہ: پس تم اللہ ہی کی بندگی کرو دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ (سورۃ الزمر آیت نمبر 2)

☆ فَٱدْعُوا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ ٱلْكَٰفِرُونَ ۝

ترجمہ: اللہ ہی کو پکارو اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے اگرچہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ (سورۃ المؤمن آیت نمبر 14)

☆ هُوَ ٱللَّهُ ٱلَّذِى لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَٰلِمُ ٱلْغَيْبِ وَٱلشَّهَٰدَةِ ۖ هُوَ ٱلرَّحْمَٰنُ ٱلرَّحِيمُ ۝ هُوَ ٱللَّهُ ٱلَّذِى لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْمَلِكُ ٱلْقُدُّوسُ ٱلسَّلَٰمُ ٱلْمُؤْمِنُ ٱلْمُهَيْمِنُ ٱلْعَزِيزُ ٱلْجَبَّارُ ٱلْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحَٰنَ ٱللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝

ترجمہ: وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ غائب اور ظاہر ہر چیز کو جاننے والا وہی رحمٰن اور رحیم ہے۔ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ ہے' نہایت مقدس' سراسر سلامتی' امن دینے والا' نگہبان' سب پر غالب' زبردست' اور بڑا ہی ہو کر رہنے والا۔ پاک ہے اللہ ان سے جن کو شریک بناتے ہیں۔ (سورۃ الحشر آیات نمبر 22'23)

☆ قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ ۝ ٱللَّهُ ٱلصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُن لَّهُۥ كُفُوًا أَحَدٌۢ ۝

ترجمہ: کہو وہ اللہ یکتا ہے۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد۔ اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔ (سورۃ الاخلاص آیات نمبر 1 تا 4)

احادیث نبویہ:

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ

"تم اللہ کا شریک ٹھہراؤ حالانکہ اسی نے تم کو پیدا کیا ہے۔"

☆ حضرت معاذؓ بن جبل نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں اور جہنم سے بچ جاؤں تو آپ نے فرمایا کہ:

"اللہ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر۔"

☆ حضور اکرم ﷺ نے صحابہؓ کی محفل میں ارشاد فرمایا کہ میری بیعت کرو اور آپ نے کچھ چیزیں گنوائیں کہ ان پر بیعت کرو۔ ان میں سب سے پہلی آپ نے یہ فرمائی کہ

"اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ گے۔"

☆ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو چیزیں دو چیزوں کو لازم کر دیتی ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا وہ کونسی؟ آپ نے فرمایا کہ

"جو اس حالت میں مر گیا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا تھا' وہ آگ میں داخل ہو گیا اور جو اس حالت میں مر گیا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا تھا' وہ جنت میں داخل ہو گیا۔"

☆ رحمت دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک حجاب نہ ہو' بندے پر مغفرت رہتی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ حجاب کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ

"اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا۔"

☆ حدیث قدسی ہے کہ

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کوئی مجھے مغفرت ذنوب پر قادر جانتا ہے' میں اس کے گناہ معاف کر دیتا ہوں جب تک کہ اس نے میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرایا ہو۔"

☆ حدیث نبویؐ ہے کہ

"اللہ تعالیٰ کے کچھ حقوق بندوں پر عائد ہوتے ہیں اور کچھ حقوق بندوں کے اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھے ہیں۔ اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ خالص اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا حق اللہ کے ذمہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے' اللہ اس شخص کو عذاب نہ دے۔"

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں کہ جس کے کرنے سے میں جنت میں چلا جاؤں۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔"

☆ فرمان نبویؐ ہے کہ

"میرے پاس جبریلؑ آئے اور مجھے یہ خوشخبری سنائی کہ جو شخص میری امت میں سے اس حالت میں مر جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا' وہ شخص جنت میں داخل ہوگا۔"

☆ حدیث قدسی ہے کہ

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ابن آدم اتنے گناہ کرے کہ آسمان کے قریب پہنچ جائیں یا زمین کو بھر دیں تو پھر مجھے پکارے تو میں معاف کر دوں گا۔ بشرطیکہ شرک کر کے مجھے نہ ملے۔"

☆ رحمت کائنات ﷺ نے فرمایا کہ

"جو شخص ایسی حالت میں اللہ کریم سے ملا کہ اس نے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا تھا تو اس کے لیے جنت ہے۔"

انفرادی زندگی پر توحید کے اثرات:

عقیدۂ توحید کئی لحاظ سے انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے اور اسے بدل کر رکھ دیتا ہے۔ ذیل میں ہم انسان کی انفرادی زندگی پر عقیدۂ توحید کے اثرات کے چند پہلوؤں کا ذکر کر رہے ہیں:

1. شرف انسانیت:

عقیدۂ توحید کے مطابق جبین نیاز جھکانے کے لیے صرف ایک ہی اعلیٰ و ارفع در ہے۔ چنانچہ اس عقیدہ کے اقرار سے انسان در در کی ٹھوکریں کھانے اور جگہ جگہ پر دست سوال دراز کر کے ذلیل ہونے سے بچ جاتا ہے اور صرف اسی وحدہ لاشریک ہستی کے سامنے دامن پھیلاتا ہے کہ جس کے سامنے عاجزی کرنے سے تذلیل اور رسوائی نہیں ہوتی' بلکہ مقام بلند سے بلند تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ رب ذوالجلال والاکرام کی ہستی وہ ہستی ہے کہ اس کے سامنے انسان جتنی زیادہ عاجزی کرے گا' اس کا مقام اسی قدر بلند ہوگا۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ

سے بڑھ کر اللہ رب العزت کے سامنے عاجزی کرنے اور گڑگڑانے والا اور کوئی نہیں ہو سکتا اور یہ کہ خالق کائنات کے بعد آپ سے بڑھ کر مقام و مرتبہ والا بھی اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

2. خودداری اور عزت نفس:

دردر پر بھٹکنے والے آدمی کی عزت نفس اور خودداری مجروح ہوتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں عقیدہ توحید انسان کو صرف ایک در کا عابد بناتا ہے اور وہ در اس قدر عظیم ہے کہ اس کی شوکت کے سامنے جبیں خود بخود جھک جاتی ہے اور اس در پہ گڑگڑانے سے نہ انسان کی عزت نفس پہ حرف آتا ہے نہ انسان کی خودداری مجروح ہوتی ہے' کیونکہ عزت نفس اور خودداری کے خلاف یہ ہے کہ اپنے سے کمتر کے سامنے جھکا جائے' اپنے سے بلند و برتر کے سامنے عاجزی کا اظہار کسی طرح بھی عزت نفس اور خودداری کے خلاف نہیں ہے اور انسان سے بلند و برتر ذات صرف اور صرف ذات باری تعالیٰ ہے اور کائنات کی ہر چیز انسان سے کمتر ہے۔

3. حق نیابت کا صحیح استعمال:

انسان کو زمین میں خلیفہ قرار دیا گیا ہے۔ زمین پر موجود باقی ہر چیز کو انسان کی خدمت کے لیے تسخیر کیا گیا ہے۔ انسان کا مقام و مرتبہ بلند بنایا گیا ہے تو اگر انسان اپنے سے کسی کمتر کو اپنا معبود بنالے اور اس کی تعظیم و تکریم شروع کردے اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے تو گویا اس نے اپنے منصب خلافت سے خود ہی دستبرداری اختیار کر لی' کیونکہ ذات باری کی مخلوقات میں سے اگر کوئی اور انسان کی معبود بن جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کا مقام و مرتبہ انسان سے بلند ہے' تو پھر منصب خلافت بھی اسی کے سپرد ہونا چاہیے۔ چنانچہ انسان صرف اللہ رب العزت کو وحدہ لاشریک سمجھ کر ہی منصب خلافت پر قائم رہ سکتا ہے اور حق نیابت کو صحیح طور پر ادا کر سکتا ہے۔

4. آزادی و حریت:

ایک اللہ کا پجاری صرف اسی کا ڈر دل میں رکھتا ہے اور صرف اسی کے احکام کو اپنے لیے لازم سمجھتا ہے۔ اس طرح وہ مخلوقات کی غلامی سے نکل کر صرف اور صرف خالق کی اطاعت میں آجاتا ہے اور اس کی آزادی کی حدود پھیل جاتی ہیں۔ اگرچہ یہ اب بھی مادر پدر آزاد نہیں ہو جاتا لیکن بہرحال صرف حدود اللہ میں محدود رہتا ہے' حدود خلق سے بچ جاتا ہے۔

5. بہادری اور بے خوفی:

عقیدۂ توحید کے ماننے والے کے دل میں صرف اور صرف ذات ربانی کا ڈر ہوتا ہے اور وہ مخلوقات میں سے کسی سے خوف نہیں کھاتا۔ اس طرح نڈر اور بے خوف ہو جاتا ہے۔

6. تواضع و انکساری:

عقیدۂ توحید کو ماننے والا یہ اعتقاد بھی رکھتا ہے کہ میری سب صلاحیتیں اللہ ہی کی عطا کردہ ہیں۔ اس طرح وہ اپنی صلاحیتوں پر مغرور و متکبر نہیں ہوتا' بلکہ اس میں تواضع اور انکساری پیدا ہوتی ہے۔

7. اصلاح احوال:

توحید کا پیروکار یہ بھی سمجھتا ہے کہ جس مالک نے مجھے پیدا کیا ہے' جو میری پرورش کر رہا ہے اور جو مجھے نعمتیں عطا کر رہا ہے' مجھے اس کے دربار میں جوابدہ بھی ہونا پڑے گا۔ چنانچہ وہ اپنے رب کی رضا کے حصول کے لیے رذائل سے بچتا ہے اور اپنے اندر تقویٰ کی صفت پیدا کرتا ہے۔

8. توکل علی اللہ:

ایک اللہ کو ماننے والا یہ یقین رکھتا ہے کہ میری کسی بھی مصیبت میں میرا حاجت روا اور میرا مشکل کشا صرف اور صرف اللہ ہو گا' اللہ

کے سوا کوئی اور طاقت مجھے مصیبت اور مشکل سے نجات نہیں دلا سکتی اور نہ ہی میں اپنی طاقت اور کوشش سے اللہ کی مدد و نصرت کے بغیر مصیبت سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہوں؛ چنانچہ وہ صرف اور صرف اللہ ہی پر توکل رکھتا ہے۔

9. وسعت نظری:

توحید کا اقرار ایک ایسے خدا کی وحدانیت کا اقرار ہے کہ جس کی بادشاہت میں ساری کائنات ہے۔ اس لیے توحید کا پیروکار تنگ نظری کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتا کہ صرف میرا قبیلہ ہی آخرت میں کامیاب ہوگا یا صرف میری برادری کو ہی نجات ملے گی؛ بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ جس طرح خدا میرے لیے اور میرے کنبے و قبیلے اور برادری کے لیے رحیم و کریم ہے؛ اسی طرح ساری کائنات کے لیے رحیم و کریم ہے۔ اس طرح سے توحید کے پیروکار میں وسعت نظری پیدا ہوتی ہے۔

10. تسکین قلب:

توحید کا ماننے والا ایک قلبی اطمینان اور طمانیت محسوس کرتا ہے جب کہ ایک سے زیادہ خداؤں کے ماننے والے کے دل میں ہر وقت ایک کھٹکا رہتا ہے۔ ایک خدا کا پجاری یہ سمجھتا ہے کہ میں نے صرف اسی کو راضی کرنا ہے۔ وہ جس قدر ہو سکے اس کی رضا کے حصول کی کوشش میں مگن رہتا ہے۔ جب کہ زیادہ خداؤں کا پجاری جب ان میں سے کسی ایک کی پرستش میں معروف ہوگا تو اس کے دل میں کھٹکا ہوگا کہ اگر میں اس کی رضا جوئی کے لیے زیادہ کوشش کروں تو کہیں میرے دوسرے خدا مجھ سے ناراض نہ ہو جائیں۔ اس طرح وہ ان میں سے کسی ایک کو بھی یکسوئی کے ساتھ راضی کرنے کی کوشش نہ کر سکے گا۔

اجتماعی زندگی پر توحید کے اثرات:

انفرادی زندگی کی طرح اجتماعی اور معاشرتی زندگی بھی توحید سے متاثر ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک بدیہی سی بات ہے کہ اگر ایک ایسا معاشرہ ہے جس کے تمام افراد توحید کے قائل ہیں تو جب ان میں سے ہر ایک کی انفرادی زندگی توحید سے متاثر ہوگی تو ان کی اجتماعی زندگی پر تو خود بخود اثر ہوگا ہی۔ ذیل میں ہم اجتماعی زندگی پر توحید کے چند اثرات کا ذکر کر رہے ہیں:

1. مساوات:

توحید کا درس یہ ہے کہ مالک حقیقی صرف اور صرف اللہ ہے؛ تمام انسان اس کی بارگاہ میں بحیثیت انسان برابر ہیں؛ کسی کو اس کے عہدے یا دولت یا خاندان و برادری وغیرہ کی بناء پر کسی پر کوئی فضیلت نہیں ہو سکتی اور کسی قسم کی کوئی طبقاتی تقسیم روا نہیں ہے۔ معیار فضیلت صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ توحید کے اس درس سے معاشرہ میں مساوات پیدا ہوتی ہے۔

2. اتحاد فکر:

توحید ہی وہ واحد نظریہ ہے کہ جو ثنویت، تثلیث، بت پرستی، آباء پرستی، شجر پرستی، حجر پرستی، ستارہ پرستی اور مظاہر پرستی وغیرہ کے مقابلہ میں عقل و فکر کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ صرف اسی نظریہ پر انسانیت کا اجتماع ممکن ہے۔ اس طرح یہ فکری اتحاد کے لیے ایک پلیٹ فارم ہے اور اس پلیٹ فارم پر آ جانے والا خواہ کسی قبیلہ کا ہو، کسی رنگ کا ہو، کسی ملک کا ہو، کسی طبقہ کا ہو، کسی نسل کا ہو، بہر حال وہ ایک اللہ کا عابد بن کر اسی کے احکام پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔

3. معاشرتی امن:

توحید کا پیروکار اپنے دل میں خداوند قدوس کے ہاں جوابدہی کا تصور رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ رذائل سے بچنے اور اعمال و اخلاق حسنہ کو اپنانے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے۔ چنانچہ جس معاشرہ میں توحید کے پیروکار ہوں گے؛ اس معاشرہ میں امن پیدا ہوں گے اور معاشرتی امن وسکون قائم ہوگا۔

4. اعلیٰ روایات کی ترویج:

اگر معاشرہ کے افراد رذائل سے اجتناب کریں گے اور محاسن کو اپنائیں گے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسے معاشرہ میں اعلیٰ روایات تشکیل بھی پائیں گی اور ان کی ترویج بھی ہوگی۔

5. بلند فکری:

توحید کا انفرادی زندگی پر اثر ہے کہ انسان میں آزادی و حریت' خودداری' بہادری و بے خوفی اور وسعت نظری پیدا ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ جس معاشرہ میں ان صفات کے حامل افراد موجود ہوں گے' وہ معاشرہ بلند فکر ہوگا' عزم و استقلال کی صفات سے متصف ہوگا اور ایسے معاشرہ کی صرف تعریف ہی کی جاسکتی ہے' تنکیر نہیں کی جاسکتی۔

رسالت

معنی و مفہوم:

رسالت (را کے فتح اور کسرہ کے ساتھ) کا معنی پیغام اور پیغامبری کا ہے۔ رسول کا معنی بھیجا ہوا' فرستادہ' قاصد' ایلچی اور پیغامبر ہے۔ شریعت اسلامیہ میں رسول ان محترم ہستیوں کو کہا جاتا ہے کہ جنہیں عام انسانوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے اللہ کریم انسانوں میں سے ہی منتخب کر کے مبعوث فرماتے ہیں اور ان رسولوں کے منصب کو شریعت اسلامیہ میں منصب رسالت کہتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ کی رو سے حضرت آدم علیہ السلام سے حضور اکرم ﷺ تک کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ہوئے جن میں سے کچھ صاحب شریعت رسول تھے۔ ان سب انبیاء و رسل پر ایمان لانا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں حضور اکرم ﷺ کو خاتم الانبیاء والرسل تسلیم کرنا اور آپ کی شریعت پر عمل پیرا ہونا بھی ضروری ہے۔ آپ کی شریعت سابقہ شرائع کے لیے ناسخ ہے اور سابقہ شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ آپ کی شریعت مکمل اور جامع ہے۔ ہر علاقہ اور ہر طبقہ کے لیے موزوں ہے اور چونکہ آپ کے بعد نبوت و رسالت کا دروازہ بند ہو چکا ہے' اس لیے آپ کی شریعت کے منسوخ ہونے کا تا قیامت کوئی امکان نہیں ہے۔

ضرورت و اہمیت:

جب یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ایک خالق و مالک اور مختار ہستی موجود ہے کہ جس نے انسان کو اور دیگر مخلوقات کو پیدا کیا ہے' جو ہستی ربوبیت کر رہی ہے اور جس ہستی کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا' تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس خالق نے انسان کو تخلیق کیوں کیا ہے؟ وہ رب انسان کی ربوبیت کیوں کر رہا ہے؟ اور اس مالک یوم الدین کے سامنے انسان کو کس سلسلہ میں جوابدہ ہونا پڑے گا؟ عقل انسانی کہتی ہے کہ جب انسان اپنے دوستوں کے متعلق سوچتا ہے کہ میرا ان کے ساتھ کیسا سلوک ہونا چاہیے' اپنے اقارب کے متعلق سوچتا ہے کہ مجھے انہیں کس طرح راضی رکھنا چاہیے' جب انسان اپنے بھائی بہنوں کے متعلق' اپنے والدین کے متعلق' اپنی اولاد کے متعلق' اپنے رشتہ داروں کے متعلق' اپنے ہمسایوں اور پڑوسیوں کے متعلق' اپنے اساتذہ کے متعلق' اپنے تعلق داروں کے متعلق' سب کے متعلق سوچتا ہے کہ میرا ان سے کس طرح کا تعلق ہونا چاہیے تو انسان کو اپنے خالق و مالک اور اپنے رب کے متعلق بھی ضرور سوچنا چاہیے کہ میرا اس کے ساتھ کیسا تعلق ہونا چاہیے اور اسے راضی کرنے کے لیے اور اس کی رضا کے حصول کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے۔ اس نے مجھے تخلیق کیا ہے تو یقیناً تخلیق کا کوئی مقصد ہوگا' مجھے اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ وہ جو ربوبیت کر رہا ہے تو اس کی ربوبیت کا بھی کوئی مقصد ہوگا' مجھے اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ وہ جو روز قیامت جواب طلبی کرے گا تو کس چیز کی؟ اور مجھے اس کے لیے کیا تیاری کرنی چاہیے؟ عقل کہتی ہے کہ انسان کو اس سب پر ضرور غور کرنا چاہیے اور عقل یہ بھی کہتی ہے کہ اس ہستی کی رضا کا حصول صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب انسان وہی کچھ کرے جو کچھ وہ مالک چاہتا ہے۔ یعنی انسان اس حاکم مطلق کے احکام پر عمل کرے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ احکام کون سے ہیں اور ان کا علم ہمیں کیونکر ہو سکتا ہے؟ اس کے لیے انسان کے پاس حسب ذیل ذرائع موجود ہیں:

1. انسان کا میلان طبع اسے بتا دے کہ رب ذوالجلال کو راضی کرنے کے لیے اس کے کون سے احکام پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔
2. ماحول کی تاثیر سے انسان کو یہ معلوم ہو جائے۔
3. انسان کا شعور اس کی اس سلسلہ میں راہنمائی کر دے۔
4. انسانی ضمیر اسے اطمینان بخش لائحہ عمل دے دے۔
5. حواس خمسہ کو بروئے کار لاتے ہوئے انسان ان احکام کو معلوم کر لے۔
6. انسان کی قوت قلب اسے ان احکام سے آگاہ کر دے۔
7. انسانی وجدان اس سلسلہ میں اس کی مدد کرے۔
8. انسان عقل و فکر اور غور و خوض کے ذریعہ ان احکام کا علم حاصل کرے۔
9. انسانوں کی ایک جماعت مل کر باہم مشورہ کے ذریعے وہ احکام معلوم کر لیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس کوئی ہستی ظاہراً موجود ہو وہ ہمیں کوئی حکم دینا چاہے، ابھی اس نے ہمیں حکم نہ دیا ہو تو ہم ان تمام ذرائع کو بروئے کار لے آئیں تب بھی ہم حتمی طور پر اس حکم کو معلوم نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ہمیں کچھ اندازہ ہو سکتا ہے جو کہ درست بھی ہو سکتا ہے اور اس کے غلط ہونے کے امکانات بھی موجود ہیں۔ تو جو ہستی ہمیں نظر بھی نہیں آتی اس ہستی کے احکام کا علم ہمیں ان ذرائع سے کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لیے ضروری ہے کہ وہ ہستی ہمیں کسی بھی طرح سے خود ان احکام سے باخبر کرے کیونکہ یہ اس رحیم و کریم ہستی کی رحمت کا تقاضا ہے کہ جب اس نے انسان کو پیدا کیا ہے تو تخلیق کے مقصد سے بے خبر رکھ کر وہ انسان کو تکلیف میں مبتلا نہیں کر سکتا۔ جب وہ کچھ احکام کو منوانا چاہتا ہے تو یقیناً وہ احکام پہنچانے اور بتانے کی بھی ضرور کوئی سبیل کرے گا۔ چنانچہ اسی مقصد کے لیے اس رب ذوالجلال نے رسالت کا سلسلہ شروع کیا ہے۔

رسالت قرآن وحدیث کی روشنی میں:

آیات قرآنیہ:

☆ اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰیo

ترجمہ: بے شک راستہ بتانا ہمارے ذمہ ہے۔ (سورۃ الیل آیت نمبر 12)

☆ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَo

ترجمہ: ہر امت کے لیے ایک رسول ہے۔ پھر جب ان کا رسول آ جاتا ہے تو ان کا فیصلہ پورے انصاف کے ساتھ چکا دیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ (سورۃ یونس آیت نمبر 47)

☆ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍo

ترجمہ: سوائے اس کے نہیں تم تو خبردار کر دینے والے ہو اور ہر قوم کے لیے ایک راہنما ہے۔ (سورۃ الرعد آیت نمبر 7)

☆ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا

ترجمہ: ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا۔ (سورۃ النحل آیت نمبر 36)

☆ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ

ترجمہ: اور تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہ تھا جب تک کہ ان کے مرکز میں ایک رسول نہ بھیج دیتا جو ان کو ہماری آیات سناتا۔ (سورۃ القصص آیت نمبر 59)

☆ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ

ترجمہ: اور ہم نے ایسے رسول بھی بھیجے ہیں جن کا ذکر ہم اس سے پہلے تم سے کر چکے ہیں اور ایسے رسول بھی جن کا ذکر تم سے نہیں کیا۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 164)

☆ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۭ

ترجمہ: (اے نبی ﷺ!) تم سے پہلے ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے حالات ہم نے تم کو بتائے ہیں اور بعض کے نہیں بتائے۔ (سورۃ المؤمن آیت نمبر 78)

☆ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝

ترجمہ: اور پہلے گزری ہوئی قوموں میں بھی ہم نے کتنے ہی نبی بھیجے ہیں۔ (سورۃ الزخرف آیت نمبر 6)

☆ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ

ترجمہ: ان کے رسولوں نے ان سے کہا کہ واقعی ہم کچھ نہیں ہیں مگر تم ہی جیسے انسان لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔ (سورۃ ابراہیم آیت نمبر 11)

☆ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝

ترجمہ: لوگوں کے سامنے جب بھی ہدایت آئی تو اس پر ایمان لانے سے ان کو کسی چیز نے نہیں روکا مگر ان کے اسی قول نے کہ "کیا اللہ نے بشر کو پیغمبر بنا کر بھیج دیا۔" (سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 94)

☆ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ

ترجمہ: ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ اذن خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 64)

☆ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ

ترجمہ: البتہ ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔ (سورۃ الحدید آیت نمبر 25)

☆ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ۝

ترجمہ: وہ اس بھید (وحی) کو اپنے جس بندے پر چاہتا ہے اپنے حکم سے ملائکہ کے ذریعے نازل فرما دیتا ہے (اس ہدایت کے ساتھ لوگوں کو) خبردار کر دو کہ میرے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں ہے لہٰذا تم مجھی سے ڈرو۔ (سورۃ النحل آیت نمبر 2)

احادیث نبویہ:

☆ حدیث جبریلؑ میں فرشتہ جبریل نے حضور اکرم ﷺ سے پہلا سوال ایمان کے متعلق کیا کہ ایمان کیا ہے؟ اس کے جواب میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ

"ایمان یہ ہے کہ تو اللہ اور اس کے فرشتوں کا اور اس سے ملنے کا اور اس کے پیغمبروں کا یقین کرے اور مر کر جی اٹھنے کو مانے۔"

☆ حضور اکرم ﷺ نے بنی اسرائیل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ

"بنی اسرائیل پر پیغمبر حکومت کیا کرتے تھے۔ ان میں سے جب کوئی نبی فوت ہو جاتا اس کی جگہ دوسرا نبی آ جاتا اور میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت زیادہ ہوں گے۔"

☆ حضرت ابوذر غفاریؓ سے ایک طویل روایت ہے جس میں شروع میں حضرت ابوذر مختلف چیزوں کی افضیلت کے متعلق حضور اکرم ﷺ سے سوال کرتے ہیں اور آپؐ ارشاد فرماتے ہیں۔ پھر مختلف سوالات حضرت ابوذرؓ رسالت کے متعلق کرتے ہیں۔

"میں نے کہا حضور! انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ میں نے کہا ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ فرمایا تین سو تیرہ بہت بڑی جماعت۔ میں نے پوچھا سب سے پہلے کون ہیں فرمایا آدم (علیہ السلام)۔ میں نے کہا کیا وہ بھی نبی رسول تھے؟ فرمایا ہاں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح ان میں پھونکی اور انہیں صحیح تر بنایا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: سنو! چار تو سریانی ہیں آدم (علیہ السلام)، شیث (علیہ السلام)، خنوخ (علیہ السلام) اور یہی ادریس (علیہ السلام) ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے لکھا اور نوح (علیہ السلام)۔ اور چار عربی ہیں ہود (علیہ السلام)، شعیب (علیہ السلام)، صالح (علیہ السلام) اور تمہارے نبی (ﷺ)۔ سب سے پہلے رسول آدم (علیہ السلام) ہیں اور سب سے آخری رسول محمد (ﷺ) ہیں۔"

☆ ایک موقع پر حضور اکرم ﷺ کے الفاظ اس طرح سے ملتے ہیں کہ

"میں ایک لاکھ نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ کو۔"

☆ صحیحین میں حدیث ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

"اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تمام برائیوں کو حرام کیا ہے خواہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ۔ اور ایسا بھی کوئی نہیں جسے بہ نسبت خدا کے مدح زیادہ پسند ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے خود اپنی مدح آپ کی ہے۔ اور کوئی ایسا نہیں ہے جسے خدا سے زیادہ عذر پسند ہو اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔"

دوسری روایت میں اس طرح سے الفاظ ہیں کہ

"اسی وجہ سے اس نے رسول بھیجے اور کتابیں اتاریں۔"

انفرادی زندگی پر رسالت کے اثرات

اللہ کریم نے نبوت و رسالت کا سلسلہ روز اول سے جاری کر دیا اور خاتم الانبیاء ﷺ تک ہر دور میں انبیاء کرام تشریف لائے اور انہوں نے پیغامات ربانی کو انسانیت تک پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیا اور ہر دور میں نبوت و رسالت انسانی زندگی پر اثر انداز ہوئی۔ انسان کی انفرادی زندگی پر رسالت کے چند اہم اثرات حسب ذیل ہیں:

1. جذبۂ اطاعت کی بیداری:

اطاعت رسول ہر امتی کے لیے لازم اور ضروری ہے۔ ہر امتی کو نبی کے احکام کو تسلیم کرنا اور ان کی پیروی کرنا ہوتی ہے' چنانچہ اس میں جذبۂ اطاعت بیدار ہوتا ہے۔ ہر اچھے کام کی طرف اس کا رجحان بنتا ہے۔ اسے برائی سے روکنا اور اچھائی کی طرف مائل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

2. خودسری کا خاتمہ:

رسالت کے ساتھ نہ صرف یہ کہ جذبۂ اطاعت بیدار ہوتا ہے بلکہ یہ بھی کہ انسان میں موجود خودسری اور بلاوجہ کی خود پسندی کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے اور اس میں حلم' تواضع اور انکساری جیسی خصوصیات پیدا ہوتی ہیں۔ انسان اشرف المخلوقات ہے' ذی شعور ہے اور اسے اپنی عقل پر ناز ہوتا ہے اور اسی ناز اور فخر کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو بہت بلند سمجھنے لگتا ہے اور اگر کوئی بند نہ باندھا جائے تو خدائی کے دعوے کرنے لگتا ہے۔ یہ سب اسی وجہ سے ہے کہ وہ اس زعم میں مبتلا ہوتا ہے کہ میں سب سے بڑا ہوں لیکن اگر انسانوں میں کچھ پارسا ہستیوں کو منتخب کر کے اللہ کریم خود انہیں نبوت سے سرفراز فرما کر افضل قرار دے دیں تو اب اپنے آپ کو سب سے بڑا اور سب سے بلند سمجھنے والا یقیناً یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ واقعی اگر میں ہی بڑا ہوتا تو نبوت کا مقام مجھے عطا کیا جاتا۔ اس طرح سے ایسے خودسر افراد کی خودسری کا خاتمہ ہوتا ہے۔

3. پاکیزگی کردار:

رسالت و نبوت تعلیمات الٰہیہ کو انسانیت تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں اور تعلیمات الٰہیہ عمل و فکر کی پاکیزگی کا درس ہیں۔ چنانچہ رسالت انسان کے کردار کو پاکیزہ بناتی ہے۔ انسان کو رذائل سے بچاتی ہے اور محاسن کے اپنانے کی تلقین کرتی ہے۔

4. فکری اطمینان:

ہر انسان کے ذہن میں کائنات' خالق کائنات' مقصد تخلیق کائنات' مقصد تخلیق انسانی' زندگی' موت اور مابعد الموت وغیرہ کے متعلق مختلف سوالات ابھرتے رہتے ہیں اور اگر اسے ان سوالات کے تسلی بخش جواب نہ ملیں تو وہ فکری طور پر بے چین رہتا ہے' اس کے خیالات پریشان رہتے ہیں اور وہ ایک مسلسل کرب میں مبتلا رہتا ہے۔ رسالت انسان کو ایسے سوالات کے تسلی بخش جواب دے کر اسے مطمئن کرتی ہے' بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ صرف اور صرف رسالت ہی ان سوالات کے تسلی بخش جوابات دیتی ہے' اس کے علاوہ انسان کے پاس ایسا کوئی ذریعہ علم نہیں ہے۔ جس کے ذریعے ملنے والے جوابات کو بالکل درست اور صحیح تسلیم کیا جاسکے۔

5. عملی نمونہ سے استفادہ اور تسکین:

اگر رب ذوالجلال والاکرام انسانیت کی ہدایت کے لیے انبیاء و رسل کو مبعوث نہ فرماتا بلکہ کسی اور ذریعے سے اپنی تعلیمات کو انسانیت تک پہنچا دیتا تو بلاشبہ وہ ایسا کرنے پر قادر تھا لیکن اس طرح سے انسانوں کے سامنے کوئی ایسی ہستیاں نہ ہوتیں جو کہ عملی نمونہ بنتیں۔ انبیاء و رسل مبعوث فرما کر اللہ کریم نے نہ صرف یہ کہ بنی نوع انسان تک پیغام ہدایت پہنچایا ہے' بلکہ یہ بھی کہ ان چنیدہ و برگزیدہ ہستیوں کو کامل عملی نمونہ بھی بنایا ہے تاکہ لوگ ان کی زندگیوں کو دیکھیں اور انہیں اپنے لیے مشعل راہ بنائیں۔ اس طرح سے عملی نمونہ سامنے ہونے کی وجہ سے تعلیمات

الٰہیہ پر عمل یقیناً آسان ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں اگر نبوی کی نمونہ سامنے نہ ہوتا تو ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو بعض تعلیمات الٰہیہ ناقابل عمل یا مشکل محسوس ہوتیں لیکن انبیاء و رسل نے تمام احکامات الٰہیہ پر عمل پیرا ہو کر واضح کر دیا ہے کہ کوئی حکم ربانی ناقابل عمل اور مشکل نہیں ہے۔ اس طرح سے ان کمزور لوگوں کو ایک تسکین ملی ہے جو شریعت کو مشکل سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ جب یہ دیکھتے ہیں کہ انبیاء و رسل نے سبھی احکام پر عمل کر کے دکھایا ہے تو انہیں یہ تسلی ہوتی ہے کہ شریعت پر عمل ناممکن اور مشکل نہیں ہے۔ البتہ کسی قدر محنت کی ضرورت ہے۔

6. حفظ مراتب کا احساس:

جب نبی کی اطاعت اور نبی کی عزت و تکریم کا شعور پیدا ہو جائے تو پھر انسان کو دیگر افراد کے مراتب کا بھی احساس ہو جاتا ہے' پھر وہ ہر فرد کے ساتھ اس کے مرتبہ و مقام کو مدنظر رکھتے ہوئے پیش آتا ہے۔ نبی کی تکریم استاد کی تکریم سکھاتی ہے' نبی کی تکریم علماء کی تکریم سکھاتی ہے' نبی کی تکریم اکابر کی تکریم سکھاتی ہے' نبی کی تکریم والدین کی تکریم سکھاتی ہے' نبی کی تکریم سے انسان اپنے آپ کو مؤدب بناتا ہے۔

7. مقصدیت کا شعور:

انسان دنیا میں آتا ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ چھوٹی یا بڑی ایک عمر گزارنے کے بعد ہر انسان نے بہر حال دنیا سے چلے جانا ہوتا ہے لیکن کیا دنیا میں آنا' زندگی گزارنا اور چلے جانا' یہی سب کچھ ہے؟ کیا یہ سب صرف ایک کھیل اور تماشا ہے؟ کیا انسان کے دنیا میں آنے کا کوئی مقصد نہیں ہے؟ کیا انسان کے زندگی گزارنے کا کوئی مقصد نہیں ہے: اور کیا انسان کے دنیا سے چلے جانے میں کوئی حکمت نہیں ہے؟ نہیں' بلکہ انسان ایک خاص مقصد کے لیے دنیا میں آتا ہے۔ اس کی زندگی اور موت بھی کسی مقصد کے لیے ہے۔ اس چیز کی تعلیم انسان کو انبیاء و رسل نے دی ہے۔ نبوت و رسالت کے ذریعے ہی انسان کو مقصد حیات کا علم ہوا ہے۔ اگر نبوت و رسالت کا سلسلہ پیدا نہ کیا جاتا تو مقصدیت کا شعور پیدا نہ ہوتا اور دنیا میں آنے' زندگی گزارنے اور چلے جانے' سب کو بے مقصد سمجھ لیا جاتا۔

اجتماعی زندگی پر رسالت کے اثرات:

رسالت جہاں انسان کی انفرادی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے' وہاں انسان کی اجتماعی زندگی کو بھی متاثر کرتی ہے۔ اجتماعی زندگی پر رسالت کے چند اہم اثرات حسب ذیل ہیں:

1. فلاح انسانیت:

رسالت و نبوت نے تعلیمات الٰہیہ کی روشنی میں انسانیت کو اخوت' محبت' تعاون' ایثار' احسان' عفو' تواضع' ملنساری' ادائیگی حقوق' حلم و بردباری اور منکسر المزاجی جیسے میٹھے درس دیے ہیں اور معاشرہ کو امن و سکون کا گہوارہ بنایا ہے۔ نیز یہ کہ رسالت نے انسان کو دنیا و آخرت میں فلاح کے حصول کی ترغیب دی ہے۔

2. وحدت فکر:

اگر رسالت و نبوت کا سلسلہ پیدا نہ کیا گیا ہوتا تو ہر آدمی اپنی سوچ کے مطابق جو درست سمجھتا' وہی کرتا اور اس پر ڈٹا رہتا۔ ہر آدمی کی راہ جدا ہوتی جیسا کہ لادینی نظریات میں آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ رسالت و نبوت نے انسان کو یک سمتی اور وحدت فکر عطا کی ہے اور تمام انسانیت کے سامنے ایک درست فکر رکھ کر اس کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین کی ہے۔

3. جماعت بندی:

رسالت کے بغیر ہر طرف انتشار ہی انتشار ہوتا' ہر ایک کی سوچ الگ ہونے کی بنا پر کسی نقطہ پر اتفاق و اتحاد ناممکن ہو جاتا۔ لیکن رسالت نے جہاں وحدت فکر دی ہے' وہاں اجتماعیت کی بھی دعوت دی ہے کہ جو وحدت فکر کا لازمی نتیجہ ہے۔ خوبصورت معاشرت کی بنیاد وحدت

کردار اور جماعت بندی یا اجتماعیت کے شعور کے ساتھ ہی رکھی جا سکتی ہے۔ چنانچہ رسالت و نبوت ہی سے ایک خوبصورت معاشرت وجود میں آ سکتی ہے۔

4. فسادات کا خاتمہ:

رسالت افراد میں سے خودسری ختم کرتی ہے' ان کے کردار کو پاکیزہ بناتی ہے' ان میں حفظ مراتب کا احساس پیدا کرتی ہے' انہیں وحدت فکر عطاء کرتی ہے اور ان میں اجتماعیت کا شعور پیدا کرتی ہے۔ اس طرح سے رسالت معاشرہ میں سے ہر قسم کے فسادات کا خاتمہ کرتی ہے۔ جس معاشرہ کے افراد خودسر نہ ہوں گے بلکہ اپنے اندر جذبۂ اطاعت اور تواضع و انکساری رکھتے ہوں گے' ظاہر ہے وہ معاشرہ فسادات اور خونریزیوں سے پاک ہوگا۔

عقیدۂ ختم نبوت:

عقیدۂ ختم نبوت اسلام کے عقیدۂ رسالت کا لازمی جزو ہے۔ تمام انبیاء پر ایمان ضروری ہے اور حضور اکرم ﷺ کی نبوت کے ساتھ ساتھ آپ ؐ کے خاتم النبیین ہونے پر ایمان بھی ضروری ہے۔ قرآن و حدیث میں اس عقیدہ کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے' علاوہ ازیں سابقہ کتب میں جو حضور اکرم ﷺ کے متعلق پیشین گوئیاں ملتی ہیں' ان میں بھی یہ اشارہ ملتا ہے کہ آپ ؐ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔

آیات قرآنیہ:

سورۃ الاحزاب میں بہت واضح طور پر ارشاد ربانی موجود ہے کہ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ

ترجمہ: (لوگو!) محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ (سورۃ الاحزاب آیت نمبر 40)

قرآن حکیم کی رو سے دین کی تکمیل ہو چکی ہے اور ظاہر ہے کہ جب دین مکمل ہو چکا اور کسی نئی شریعت یا کسی اضافے کی ضرورت باقی نہیں رہی تو اب کسی نبی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ

ترجمہ: آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔ (سورۃ المائدہ آیت نمبر 3)

ایک نئے نبی کی ضرورت اس وجہ سے بھی محسوس کی جا سکتی ہے کہ پہلے نبی کی تعلیمات کو بھلا دیا گیا ہو یا ان میں تغیر و تبدل آ گیا ہو یا وہ کسی طرح ضائع ہو گئی ہوں اور مٹ گئی ہوں یا ان کے بعض حصے موجود نہ رہے ہوں لیکن شریعت اسلامیہ اور دین اسلام کے متعلق ایسی کسی صورت حال کے پیش آنے کا اندیشہ موجود نہیں ہے کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود رب قدوس نے لیا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

ترجمہ: بے شک اس ذکر کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ (سورۃ الحجر آیت نمبر 9)

حضور نبی دو عالم ﷺ سے قبل کے انبیاء کسی خاص طبقہ' کسی خاص قبیلہ' کسی خاص خطہ یا کسی خاص علاقہ کے لیے مبعوث کیے جاتے تھے اس لیے دوسرے نبی کی ضرورت باقی رہتی تھی لیکن آپ کو تمام انسانیت کی طرف مبعوث کیا گیا ہے' اس لیے اب آپ ؐ کے بعد کسی اور نبی کی ضرورت نہیں رہی۔ آپ قیامت تک کے لیے ہر علاقہ اور ہر طبقہ کے لیے نبی ہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ِۨالَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ

ترجمہ: (اے محمد ﷺ) کہو کہ اے انسانو! بے شک میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے۔ (سورۃ الاعراف آیت نمبر 156)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا

ترجمہ: اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (سورۃ سبا آیت نمبر 28)

نبوت و رسالت کی ضرورت تب بھی پیش آ سکتی ہے کہ جب سابقہ شریعت قابل عمل نہ رہے لیکن شریعت اسلامیہ کے متعلق یہ بھی خیال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ رب ذوالجلال والاکرام انسانیت کے ہر ہر فرد کی ضروریات اور صلاحیتوں سے بخوبی واقف ہیں شریعت اسلامیہ میں کوئی ایسی چیز نہیں رکھی گئی کہ جو کسی انسان کے لیے مشکل بن جائے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ

ترجمہ: اللہ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ (سورۃ البقرۃ آیت نمبر 286)

لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ

ترجمہ: ہم ہر شخص پر ذمہ داری کا اتنا ہی بار رکھتے ہیں جتنا اس کے امکان میں ہے۔ (سورۃ الانعام آیت نمبر 152)

ہماری اس مذکورہ بحث سے معلوم ہوا کہ حضور سرور دو عالم ﷺ کے بعد کسی وجہ سے بھی کسی نئے نبی کی ضرورت نہ تھی اس لیے آپ کے بعد نبوت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

احادیث نبویہ:

مسند احمد میں روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

میری مثال نبیوں میں ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک بہت اچھا اور پورا مکان بنایا لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی جہاں کچھ نہ رکھا۔ لوگ اسے چاروں طرف سے دیکھتے بھالتے اور اس کی بناوٹ سے خوش ہوتے لیکن کہتے کیا اچھا ہوتا کہ اس اینٹ کی جگہ بھی پر کر لی جاتی۔ پس میں نبیوں میں اسی اینٹ کی جگہ ہوں۔"

مسند احمد میں ہی ایک اور روایت ہے کہ آپ نے فرمایا

"رسالت اور نبوت ختم ہو گئی۔ میرے بعد نہ کوئی رسول ہے نہ نبی۔ صحابہ کو یہ بات گراں گزری تو آپ نے فرمایا کہ لیکن خوشخبریاں دینے والے۔ صحابہؓ نے پوچھا خوشخبریاں دینے والے کیا ہیں؟ فرمایا کہ مسلمانوں کے خواب جو کہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہیں۔"

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور اکرم ﷺ ہمارے پاس آئے گویا کہ آپ رخصت کر رہے ہیں اور آپ نے تین دفعہ فرمایا کہ

"میں امی نبی ہوں میرے بعد کوئی نہیں۔"

بخاری کی کتاب المناقب میں رحمت دو عالم ﷺ کا فرمان مذکور ہے کہ

"بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کیا کرتے تھے۔ جب کوئی نبی مر جاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا بلکہ خلفاء ہوں گے۔"

مشہور حدیث نبویؐ ہے کہ

"میں نبیوں کا اختتام ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔"

حضور اکرم ﷺ نے چھ چیزیں گنوائیں کہ دیگر انبیاء کی نسبت ان چھ چیزوں میں مجھے فضیلت دی گئی ہے۔ ان میں آخری چیز آپؐ نے یہ ارشاد فرمائی کہ

"اور میرے ساتھ نبیوں کا سلسلہ ختم کیا گیا۔"

ترمذی اور مسند احمد میں روایت ہے کہ

"بے شک رسالت اور نبوت ختم ہو چکی ہے پس میرے بعد نہ کوئی نبی ہوگا اور نہ رسول۔"

صحیحین کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا

"میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور ماحی ہوں جس سے کفر کو محو کیا جائے گا اور میں حاشر ہوں کہ میرے بعد لوگ حشر میں جمع کیے جائیں گے اور میں عاقب ہوں کہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔"

حضور اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ

"میری اور تیری نسبت وہی ہے کہ جو موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) کی تھی لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔"

حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ

"اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔"

فرمان نبویؐ ہے کہ

"بے شک اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا کہ جس نے اپنی امت کو دجال کے متعلق نہ ڈرایا ہو اور میں نبیوں میں سے آخری ہوں اور تم امتوں میں سے آخری ہو۔ اب لامحالہ اس کو تمہی میں سے ہی نکلنا ہے۔"

رحمت دو عالم ﷺ کا ارشاد مسند احمد میں مذکور ہے کہ

"میں خدا کے نزدیک اس وقت بھی نبیوں کو ختم کرنے والا تھا کہ جب ابھی آدم (علیہ السلام) پورے طور پر پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔"

سابقہ کتب کے اشارات:

تورات کی کتاب پیدائش کے باب 17 میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں حضرت اسحٰق علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق خداوند قدوس کی طرف سے کچھ وعدے اور پیشین گوئیاں مذکور ہیں۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے متعلق اس طرح سے ذکر ہے کہ

"اور خدا نے ابرہام سے کہا کہ ساری جو تیری بیوی ہے سو اس کو ساری نہ پکارنا اس کا نام سارہ ہوگا ٥ اور میں اسے برکت دوں گا اور اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا یقیناً میں اسے برکت دوں گا کہ قومیں اس کی نسل سے ہوں گی اور عالم کے بادشاہ اس سے پیدا ہوں گے۔"

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق اس طرح سے ذکر ہے کہ

''اور اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔''

ان دو اقتباسات کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے متعلق خداوند قدوس نے جو وعدہ فرمایا اس میں ''قومیں'' کا لفظ ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وعدہ میں ''بڑی قوم'' کا لفظ ہے۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں سے کئی انبیاء مبعوث ہوں گے جو کہ اپنے اپنے قبیلہ میں تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیں گے لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے صرف ایک نبی مبعوث کیا جائے گا جو کہ کسی خاص قبیلہ کی طرف نہیں ہوگا بلکہ ''بڑی قوم'' یعنی کل انسانیت کی طرف پیغام ربانی پہنچانے کے لیے ہوگا اور ظاہر ہے کہ جب تمام انسانیت تک پیغام ایک نبی کے ذریعے پہنچ جائے گا تو اب کسی اور نبی کی ضرورت نہ رہے گی۔

عہد نامہ قدیم کی کتاب یسعیاہ کے باب 42 میں ہے کہ

''دیکھو میرا خادم جس کو میں سنبھالتا ہوں میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش ہے میں نے اپنی روح اس پر ڈالی وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا ○ وہ نہ چلائے گا اور نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی ○ وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائے گا اور راستی سے عدالت کرے گا ○ وہ ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے ○''

اس اقتباس میں بھی نہ صرف یہ کہ حضور اکرم ﷺ کے متعلق بشارت موجود ہے بلکہ پوری زمین پر آپ کی شریعت کے نفاذ کی طرف بھی اشارہ ہے اور ظاہر ہے کہ جب ساری زمین پر نفاذ کے لیے شریعت موجود ہو تو کسی نئے نبی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

لوقا کی انجیل کے آخری باب میں ہے کہ

''اور دیکھو جس کا میرے باپ نے وعدہ کیا ہے میں اس کو تم پر نازل کروں گا لیکن جب تک عالم بالا سے تم کو قوت کا لباس نہ ملے اس شہر میں ٹھہرے رہو''

اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کو حضور اکرم ﷺ کی اتباع کا بھی حکم دے رہے ہیں اور یہ ہدایت بھی کر رہے ہیں کہ فی الحال اس شہر میں ٹھہرے رہو جب وہ نبی آئے گا تب اس نبی کے زیر تحت ہو کر پورے عالم میں دعوت و تبلیغ کے لیے نکلنا۔ ظاہر ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کی شریعت کل عالم کے لیے ہوگی۔

یوحنا کی انجیل باب 14 کی آیت 16 ہے کہ

''اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے ○''

اس آیت میں واضح طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرما رہے ہیں کہ خاتم النبیین ﷺ کی نبوت ابد تک کے لیے ہوگی اور یہ حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت پر ایک انتہائی واضح اشارہ ہے۔

اسی باب کی آیت نمبر 26 میں ہے کہ

''لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا۔''

یہاں ''سب باتیں'' سکھانے سے واضح طور پر تکمیل دین کی طرف اشارہ ہے۔

پھر اسی باب کی آیت نمبر 30 میں واضح طور پر حضور اکرم ﷺ کو دنیا کا سردار کہا گیا ہے۔

''اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں ہے ○''

اسی کتاب یوحنا کی انجیل کے باب 16 کی آیت نمبر 13 میں بھی ''تمام سچائی'' کی راہ دکھانے کے لفظ استعمال کر کے تکمیل دین کی طرف واضح اشارہ کیا گیا ہے:

''لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔''

عہد نامہ قدیم و جدید کے یہ اقتباسات واضح طور پر اشارہ کر رہے ہیں کہ ہزاروں تحریفات کے باوجود آج بھی تورات و انجیل میں نہ صرف یہ کہ حضور اکرم ﷺ کے متعلق پیشین گوئیاں موجود ہیں بلکہ یہ بھی کہ آپ کی ختم نبوت پر بھی اشارات موجود ہیں۔

حرف آخر:

ہماری مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ قرآن حکیم، احادیث مبارکہ اور سابقہ کتب سب حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت پر متفق ہیں اور یہ کہ جن جن حالات کی بنا پر کسی نئے نبی کی ضرورت پیش آسکتی ہے' وہ حالات حضور سرور دو عالم ﷺ کے بعد سامنے نہیں آسکتے' اس لیے اب آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کی ضرورت بھی باقی نہیں ہے۔ ایک نئے نبی کی ضرورت عموماً تب پیش آتی ہے کہ جب سابقہ شریعت نامکمل ہو لیکن شریعت اسلامیہ مکمل ہے یا سابقہ شریعت تحریف کا شکار ہو چکی ہو لیکن شریعت اسلامیہ تحریف کا شکار نہیں ہو سکتی یا سابقہ شریعت بھلائی جا چکی ہو لیکن شریعت اسلامیہ کا کوئی حصہ بھلایا نہیں جا سکتا یا سابقہ شریعت کسی خاص دور' کسی خاص طبقہ یا کسی خاص علاقہ کے لیے ہو لیکن شریعت اسلامیہ پوری کائنات کے ہر فرد کے لیے ہے یا سابقہ شریعت قابل عمل نہ رہی ہو لیکن شریعت اسلامیہ ایک آسان شریعت ہے اور ہر ایک کے لیے قابل عمل ہے تو جب ایک نئے نبی کی ضرورت کے متقاضی حالات ہی نہیں ہیں تو اب کسی نئے نبی کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

آخرت

معنی و مفہوم:

لفظ آخرت کا مادہ "ا۔خ۔ر" ہے۔ **الاٰخر** کا معنی ہے پچھلا حصہ **الاٰخرۃ** کا معنی ہے دیر یا بعد **الاٰخر** کا معنی ہے غیر' دوسرا' دیگر اور **الاٰخیر** کا معنی ہے پچھلا۔ ان سب الفاظ و معانی کو مدنظر رکھتے ہوئے آخرت کے معنی میں پچھلا' دیر والا' بعد والا' دوسرا اور دیگر کا تصور پوشیدہ محسوس ہوتا ہے۔ آخرت شریعت اسلامیہ کی اصطلاح ہے اور اس کا اصطلاحی مفہوم یہ ہوگا کہ اس دنیا کے ختم ہو جانے پر ایک اور جہان آباد ہوگا جس کا نام آخرت ہے۔ چونکہ وہ جہان اس دنیا کے بعد قائم ہوگا' اس لیے اسے آخرت کہا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں آخرت کے لیے الآخرۃ' دار الآخرۃ' دار القرار اور الحیوان وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

آخرت کے تصور کے ساتھ ہی ایک مسلمان کے ذہن میں قیامت کا تصور بھی ابھرتا ہے۔ قیامت سے اس دنیا کا خاتمہ اور آخرت کی ابتداء ہوگی۔ قیامت کے لیے قرآن حکیم میں کئی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں مثلاً **یوم الدین' الیوم الاخر' یوم مشہود' یوم الحسرۃ' الوعد الحق' یوم عظیم' یوم البعث' یوم التلاق' یوم الازفہ' یوم الحساب' یوم التناد' یوم الجمع' یوم الوعید' یوم الخروج' الساعۃ' الواقعۃ' خافضۃ رافعۃ' یوم التغابن' الحاقۃ' القارعۃ' الیوم الموعود' یوم القیامۃ' یوم ثقیل' یوم الفصل' النبا العظیم' الیوم الحق' الطامۃ الکبریٰ' الصاخۃ' الیوم العظیم** اور **الغاشیۃ** وغیرہ۔ اگرچہ آخرت اور قیامت کا تصور ایک دوسرے کے اس قدر قریب ہے کہ یہ لازم و ملزوم محسوس ہوتے ہیں لیکن یہ خیال رہے کہ ان دونوں میں فرق ہے۔ آخرت ایک طویل اور نہ ختم ہونے والی زندگی کا نام ہے جب کہ قیامت صرف ایک دن ہے اگرچہ وہ بھی بہت طویل ہے۔

آخرت ایک ناگزیر ضرورت:

مذہبی نقطہ سے ہٹ کر اگر ہم صرف "عقلی استدلال" کو ہی پیش نظر رکھیں تو ہماری عقل بھی یہ مطالبہ کرتی ہے کہ آخرت ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ ہم ایک میت پر نظر کریں اور اس کے ماضی کے زندہ دور کا تصور کریں تو ہم یہ محسوس کریں گے کہ اس میت کے جسم میں بظاہر کچھ بھی کمی نہیں ہوئی ہے۔ کل بھی اس کی آنکھیں تھیں اب بھی اس کی آنکھیں ہیں' کل بھی اس کے کان تھے اب بھی اس کے کان ہیں' کل بھی اس کی ناک تھی اب بھی اس کی ناک ہے' کل بھی اس کی زبان تھی اب بھی اس کی زبان ہے' غرضیکہ کل بھی اس کا پورا جسم تھا اور اب بھی اس کا پورا

جسم جوں کا توں ہے لیکن کل اس کی آنکھیں دیکھتی تھیں آج نہیں دیکھتیں' کل اس کے کان سنتے تھے آج نہیں سنتے' کل اس کی ناک سونگھتی تھی آج نہیں سونگھتی' کل اس کی زبان بولتی تھی آج نہیں بولتی اور کل اس کا جسم متحرک تھا آج ساکن ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ حالانکہ بظاہر اس کے جسم میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ کائنات کا ہر ذی شعور فرد اتفاق کرتا ہے کہ ایسا اس لیے ہے کہ کل اس میں جان موجود تھی' روح موجود تھی جو کہ اب نکل چکی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ جان یا روح جو اس میں موجود تھی اور اب اس میں نہیں رہی' وہ کہاں گئی ہے؟ اور کیا وہ دوبارہ بھی اس جسم میں یا کسی اور جسم میں آ سکتی ہے یا نہیں؟ یہاں نہیں والی بات کو تسلیم کرنا عقل کے خلاف ہے اور عقل کا تقاضا یہی ہے کہ جو روح اس جسم سے جدا ہوئی ہے' وہ دوبارہ بھی اس جسم میں یا کسی اور جسم میں داخل ہو سکتی ہے' ایسا ناممکن نہیں ہے کیونکہ کوئی چیز مانع نہیں ہے جو اس کو دوبارہ داخلے سے روک دے۔ ہمارے اس استدلال سے اس حد تک بات ثابت ہو گئی کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی ناممکن نہیں بلکہ ممکن ہے لیکن اس حد تک ثابت ہو جانا کافی نہیں ہے' ہمیں اس سے آگے بڑھ کر یہ ثابت کرنا ہے کہ دوسری زندگی صرف ممکن ہی نہیں بلکہ ناگزیر اور ضروری ہے۔

فکر و نظر رکھنے والے کسی بھی فرد سے اگر یہ سوال کیا جائے کہ معاشرہ میں بدامنی بہتر ہے یا امن و سکون؟ تو یقیناً اس کا جواب یہی ہوگا کہ امن و سکون ہی معاشرہ کے لیے بہتر ہے۔ بدامنی' قتل و غارت' ڈکیتی و راہزنی' غنڈہ گردی اور ظلم و جور کے حق میں کسی ذی شعور کی رائے نہیں ہوگی۔ جب ہر باشعور انسان یہی رائے رکھتا ہے کہ معاشرہ میں امن و سکون ہونا چاہیے' بدامنی نہیں ہونی چاہیے تو کیا عقل یہ تسلیم کر سکتی ہے کہ خالق و مدبر کائنات نے اس حکمت سے اعراض کیا ہوگا؟ یقیناً اس کا انتظام کیا جانا ضروری ہے اور رب ذوالجلال والاکرام نے کیا ہے اور یہ انتظام آخرت کا تصور دینے کی شکل میں ہے۔ اگر آخرت کا تصور موجود نہ ہو اور کسی سزا کا خوف یا کسی جزا کی امید نہ ہو تو معاشرہ کے افراد کو کسی ضابطۂ اخلاق کی طرف کیسے بلایا جا سکتا ہے۔ جب جزا و سزا بالکل مفقود ہو تو کون ہے جو طاقت کے بل پر چوری و ڈکیتی اور غنڈہ گردی کے ذریعے حاصل ہو سکنے والی لاکھوں کی دولت کو بلاوجہ ترک کر دے اور رزق حلال کے چکر میں کسمپرسی' تنگی اور بدحالی کی زندگی گزارے۔ جب یہی تصور ہو کہ صرف اس زندگی کو گزارنا ہے' اس کے بعد کوئی زندگی نہ ہوگی اور کسی قسم کی پوچھ گچھ نہ ہوگی تو یقیناً ہر کوئی یہی چاہے گا کہ اس زندگی کو جس قدر ممکن ہو عیش و نشاط میں بسر کیا جائے۔ اگر کسی کی حق تلفی ہوتی ہے تو ہوتی رہے' کسی سے چھینا جاتا ہے تو چھینا جائے' کسی کو دبایا جاتا ہے تو دبایا جائے کون پرواہ کرے گا۔ جب کسی کو فلاح کمانے کی بجائے چھیننے میں ملتی ہو اور کمانے میں صرف محنت و اذیت اور گزارہ ہی نظر آتا ہو تو کون ہے کہ جو چھیننے کی بجائے کمانے کو ترجیح دے گا۔ معلوم ہوا کہ اگر آخرت کا تصور موجود نہ ہو تو قتل و غارت ہوگی' چھینا جھپٹی ہوگی' ظلم و جور ہوگا' چوری و ڈکیتی ہوگی' غنڈہ گردی ہوگی اور معاشرہ کا امن تباہ و برباد ہوگا اور یقیناً اللہ رب العزت کی رحیم و کریم ذات سے یہ بعید ہے کہ وہ ذات اس بدامنی کو پسند کرے۔ چنانچہ اس نے یقیناً آخرت کا سلسلہ قائم کیا ہے جو کہ ہر باشعور کی رائے کے مطابق ہونا چاہیے۔ کسی باشعور آدمی کی یہ رائے نہیں ہو سکتی کہ ایسا سلسلہ نہیں ہونا چاہیے۔

اب ہم ایک دوسرے انداز کا سوال کرتے ہیں کہ کیا نیکی اور اچھائی کی جزا نہیں ہونی چاہیے؟ اور کیا بدی اور برائی کی سزا نہیں ہونی چاہیے؟ ہر سلجھا ہوا انسان یہی جواب دے گا کہ واقعی نیکی اور اچھائی کی جزا ہونی چاہیے اور بدی اور برائی کی سزا ہونی چاہیے۔ جب انسانیت کے ہر سلجھے ہوئے فرد کی رائے یہی ہے کہ نیکی کی جزا اور بدی کی سزا ہونی چاہیے تو ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ کیا واقعی اس دنیا میں ہر کسی کو نیکی کی جزا اور بدی کی سزا مل رہی ہے؟ اگر ہم بغور مشاہدہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ایسا نہیں ہو رہا۔ کبھی کبھی تو کسی کو نیکی کی جزا اور بدی کی سزا مل جاتی ہے لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ کئی دفعہ نیکیوں کی جزا ملنے کی بجائے ان کی وجہ سے انسان کو مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑ جاتا ہے اور کئی دفعہ کئی انسانوں کی بداعمالیوں پر سزا ملنا تو دور کی بات' ان کی بداعمالیاں ظاہر بھی نہیں ہو پاتیں اور وہ اپنی بداعمالیوں کے ذریعے عیش و نشاط حاصل کرتے ہیں۔ جب ہر سلجھے ہوئے فرد کی یہی رائے ہے کہ کوئی ایسا انتظام ضرور ہونا چاہیے کہ جس کے تحت نیکی کی جزا اور بدی کی سزا مناسب انداز میں ملے تو یقیناً رب ذوالجلال والاکرام کی منصف ذات بھی ایسا ہی چاہے گی اور یقیناً اس ذات نے اس کا مناسب انتظام کر رکھا ہے اور وہ انتظام آخرت ہی ہے۔ معلوم ہوا کہ آخرت ایک ایسی ناگزیر ضرورت ہے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ اگر اس کا تصور موجود نہ ہو تو معاشرہ امن

سکون سے محروم ہوگا اور نیک و بد کے اعمال کی جزا و سزا ممکن نہ ہو سکے گی اور ذاتِ الٰہی ایسا ہرگز نہیں چاہتی۔ حقیقت یہ ہے کہ آخرت کا تصور عقل کا بھی تقاضا ہے اور یہ بھی ہے کہ اس تصور کے بغیر مذہبی تعلیمات نامکمل اور ادھوری رہتی ہیں۔

آخرت قرآن وحدیث کی نظر میں:

آیات قرآنیہ:

☆ وَفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ

ترجمہ: اور آخرت وہ جگہ ہے جہاں سخت عذاب ہے اور اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی ہے۔ (سورۃ الحدید آیت نمبر 20)

☆ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝

ترجمہ: جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے اس کی کھیتی کو ہم بڑھا دیتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اسے دنیا میں سے دیتے ہیں مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ (سورۃ الشوریٰ آیت نمبر 20)

☆ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

ترجمہ: یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت ہے ان پرہیزگاروں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن) اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 2'3'4)

☆ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝

ترجمہ: سوائے اس کے نہیں کہ جس چیز کا تمہیں خوف دلایا جا رہا ہے وہ سچی ہے اور جزائے اعمال ضرور پیش آنی ہے۔ (سورۃ الذّٰریٰت آیات نمبر 5'6)

☆ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ۝ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ۝

ترجمہ: پھر وہ (مرنے والا) اگر مقربین میں سے ہو تو اس کے لیے راحت اور عمدہ رزق اور نعمت بھری جنت ہے اور اگر وہ اصحاب یمین میں سے ہو تو (اس کا استقبال یوں ہوتا ہے کہ) سلام ہے تجھے تو اصحاب الیمین میں سے ہے اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہ لوگوں میں سے ہو تو اس (کی تواضع) کے لیے کھولتا ہوا پانی ہے اور جہنم میں جھونکا جانا۔

یہ سب کچھ قطعی حق ہے۔

(سورۃ الواقعہ آیت نمبر 88 تا 95)

☆ وَ اَنَّ عَلَیْہِ النَّشْاَۃَ الْاُخْرٰیo

ترجمہ: اور یہ کہ دوسری زندگی بخشنا بھی اسی کے ذمہ ہے۔

(سورۃ النجم آیت نمبر 47)

☆ زَعَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا ط قُلْ بَلٰی وَ رَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ط وَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌo

ترجمہ: منکرین نے یہ خیال کیا ہے کہ وہ مرنے کے بعد ہرگز دوبارہ نہ اٹھائے جائیں گے۔ ان سے کہو "نہیں میرے رب کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر ضرور تمہیں بتایا جائے گا کہ تم نے (دنیا میں) کیا کچھ کیا ہے اور ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔" (سورۃ التغابن آیت نمبر 7)

☆ فَسَیَقُوْلُوْنَ مَنْ یُّعِیْدُنَا ط قُلِ الَّذِیْ فَطَرَکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ج

ترجمہ: پس وہ ضرور پوچھیں گے "کون ہے جو ہمیں (پھر زندگی کی طرف) پلٹا کر لائے گا؟" جواب میں کہو "وہی جس نے پہلی بار تم کو پیدا کیا۔" (سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 51)

☆ فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ وَ عَلَیْنَا الْحِسَابُo

ترجمہ: بہرحال تمہارا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔ (سورۃ الرعد آیت نمبر 40)

☆ اِنَّ اِلَیْنَآ اِیَابَھُمْo لا ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَھُمْo

ترجمہ: بے شک ان لوگوں کو پلٹنا ہماری طرف ہی ہے۔ پھر بے شک ان کا حساب لینا ہمارے ہی ذمہ ہے۔

(سورۃ الغاشیہ آیات نمبر 25، 26)

☆ فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ

ترجمہ: پس بہرحال جو بد بخت ہوں گے وہ دوزخ میں جائیں گے۔ (سورۃ ہود آیت نمبر 106)

☆ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّۃِ

ترجمہ: اور رہے وہ لوگ جو نیک بخت نکلیں گے تو وہ جنت میں جائیں گے۔ (سورۃ ہود آیت نمبر 108)

احادیث نبویہ:

☆ مشہور حدیث جبریل ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ

"ہم حضور اکرم ﷺ کے پاس تھے کہ ایک آدمی آیا نہایت سفید لباس والا اور نہایت سیاہ بالوں والا۔ اس پر سفر کا کوئی اثر نظر نہ آتا تھا اور نہ ہی ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا اور اپنے گھٹنے آپؐ کے گھٹنوں سے ملا کر بیٹھ گیا اور کہا اے محمد (ﷺ)! ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ کہ تو یقین کرے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور اس کی اچھی اور بری تقدیر

پر۔"

مذکورہ بالا الفاظ حدیث ترمذی سے نقل کیے گئے ہیں۔ بخاری میں الفاظ اس طرح سے ہیں کہ

"ایمان یہ ہے کہ تو اللہ اور اس کے فرشتوں کا اور اس سے ملنے کا اور اس کے پیغمبروں کا یقین کرے اور مر کر جی اٹھنے کو مانے۔"

☆ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانا لکھ لیا گیا ہے' کسی کا جنت میں اور کسی کا دوزخ میں۔"

☆ فرمان نبویؐ ہے کہ

"اللہ جنت سے کہتا ہے کہ تو میری رحمت ہے' میں اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں گا تیری وجہ سے رحم کروں گا اور جہنم سے کہتا ہے کہ تو عذاب ہے' میں اپنے بندوں میں جس کو چاہوں گا تیرے ذریعے عذاب دوں گا۔"

☆ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"آدمی کا سارا جسم گل جاتا ہے مگر ریڑھ کی ہڈی کا ایک سرا اور اسی سے (قیامت کے روز) آدمی کا ڈھانچا کھڑا کیا جائے گا۔"

☆ ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے کہ

"لوگوں کو حشر میں تین طرح سے لے جایا جائے گا: ایک تو وہ ہوں گے جو رغبت کے ساتھ اور انجام سے ڈرتے ہوئے چلیں گے' دوسرا طبقہ کہ جو ایک ایک اونٹ پر دو دو اور تین تین اور چار چار اور دس دس ہو کر چلے گا اور تیسرے وہ کہ جنہیں آگ لے کر چلے گی جہاں یہ دن کو روکیں گے وہ بھی رکے گی' جہاں یہ رات کو ٹھہریں گے وہ بھی ٹھہرے گی' جہاں یہ صبح کریں گے وہ بھی کرے گی اور جہاں یہ چلیں گے وہ بھی چلے گی۔"

☆ حضور اکرم ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کو آپس میں ملا کر ارشاد فرمایا کہ

"میں اور قیامت اس طرح سے بھیجے گئے ہیں۔"

انفرادی زندگی پر عقیدۂ آخرت کے اثرات:

عقیدۂ آخرت اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے' اور اگر یوں کہا جائے کہ عقائد میں سے سب سے زیادہ نمایاں اثرات اسی عقیدہ کے ہیں تو یہ غلط نہ ہوگا۔ بنی نوع انسان کی انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی ہر دو پر اس عقیدہ کے نمایاں اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ذیل میں ہم انفرادی زندگی پر مرتب ہونے والے عقیدۂ آخرت کے نمایاں اثرات پر ایک نظر کر رہے ہیں:

1. شرف انسانیت:

عقیدۂ آخرت کی وجہ سے سزا کا خوف لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہوتا ہے اور یہ خوف انہیں دوسروں کے حقوق غصب کرنے سے روکتا ہے۔ اس طرح کمزور لوگوں پر ظلم و ستم کا رستہ بند ہوتا ہے اور ان کی تذلیل ختم ہو کر انہیں معاشرہ میں ایک صحیح مقام حاصل ہوتا ہے۔ دوسری طرف طاقتور بھی اپنے حیوانی اور وحشیانہ جذبات کو قابو میں رکھ کر ایک سلجھا ہوا انسان بنتا ہے اور اس طرح اسے بھی معاشرہ میں باعزت مقام حاصل ہوتا ہے۔ گویا عقیدۂ آخرت کے ذریعے کمزور اور طاقتور دونوں کو صحیح اور باعزت مقام حاصل ہوتا ہے۔

2. اصلاح احوال:

اصلاح احوال عقیدۂ آخرت کا ایک بہت خوبصورت اور واضح نتیجہ یا اثر ہے۔ آخرت پر یقین رکھنے والے کے دل میں چونکہ سزا کا خوف موجود ہوتا ہے' اس لیے وہ رذائل کی طرف قدم نہیں بڑھاتا بلکہ اس کا رخ ان محاسن کی طرف ہوتا ہے اور پھر جب سزا کے خوف کے ساتھ

ساتھ جزا کی امید بھی ہو تو محاسن کی طرف صرف رجحان نہیں ہوتا بلکہ محاسن کو زیادہ سے زیادہ اپنے اندر پیدا کرنے اور ابھارنے کی کوشش ہوتی ہے۔ اس طرح سے افراد کی بہترین اصلاح احوال ہوتی ہے۔

3. نیکی پر تسکین قلب:

جب آخرت کا عقیدہ انسان کے ذہن میں پختہ ہوگا تو اسے اعمال حسنہ پر جزا کی امید ہوگی۔ چنانچہ اگر دنیا میں اسے نیکی رائیگاں جاتی نظر آتی ہو تب بھی اخروی جزا کی امید اسے قلبی اطمینان دے گی۔

4. دعوت عمل:

آخرت کا عقیدہ انسان کو عمل پر بھی ابھارتا ہے کیونکہ اس عقیدہ کی رو سے انسان کو یہ امید ہوتی ہے کہ جس قدر اس کے اچھے اعمال ہوں گے اسی قدر اس کے درجات بلند ہوں گے اور اسی قدر اس کو راحت، سکون اور طمانیت حاصل ہوگی۔ چنانچہ وہ زیادہ سے زیادہ اعمال حسنہ کی انجام دہی کی طرف راغب ہوتا ہے۔

5. صبر و عزیمت:

یہ دنیا دارالامتحان ہے اور اس میں مختلف قسم کی آزمائشیں آتی رہتی ہیں۔ نیک لوگوں پر عموماً اذیت و تکلیف کی آزمائشیں آتی ہیں۔ انہیں ان کی نیکی کی وجہ سے بدحالی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ایسے میں عقیدۂ آخرت ان لوگوں کو صبر و عزیمت سکھلاتا ہے اور یہ لوگ اخروی فلاح کی امید پر اپنے صبر کے پیمانوں کو چھلکنے سے روکے رکھتے ہیں۔

6. خودسری کا خاتمہ:

انسان کو اللہ کریم نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اسے عقل و شعور عطا کیا ہے۔ عقل و شعور کے ساتھ ساتھ انسان کو تسخیر کائنات کا ملکہ بھی عطا کیا گیا ہے۔ اپنی صلاحیتوں پر فخر میں مبتلا ہو جانا ایک فطری بات ہے لیکن بعض لوگوں میں یہ چیز حد سے بڑھ جاتی ہے۔ فخر کے فطری جذبہ کی بجائے غرور و تکبر آ جاتا ہے اور ان میں خودسری پیدا ہو جاتی ہے۔ آخرت کا عقیدہ اس خودسری کو قابو میں لاتا ہے اور اس کا خاتمہ کرتا ہے۔ آخرت کا عقیدہ اہلِ ایمان کو یہ احساس دلاتا ہے کہ حقیقی مالک و مختار ذات صرف اور صرف اللہ رب العزت ہی کی ہے اور جب اس کی پکڑ آ جائے تو کوئی اس سے بچانے والا نہیں ہے۔ یہ احساس انسان کی خودسری کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

7. تقویٰ:

آخرت کا عقیدہ انسان میں تقویٰ اور پرہیزگاری کی صفات بھی پیدا کرتا ہے۔ سزا اور بُرے انجام کا خوف انسان کو برائی سے دامن بچائے رکھنے پر آمادہ کرتا ہے۔

8. احساس ذمہ داری:

جب انسان کو فرائض سے کوتاہی پر سزا کا خوف ہوگا تو وہ اس خوف کی بنا پر اپنے فرائض کی بروقت انجام دہی کی طرف مائل ہوگا اور اس میں احساس ذمہ داری پیدا ہوگا۔

9. احساس جوابدہی اور نظم و ضبط:

آخرت کا عقیدہ جوابدہی کا احساس پیدا کرتا ہے اور جوابدہی کا یہ احساس انسان کو اپنی زندگی ایک خاص نہج اور ڈھنگ پر گزارنے کی ترغیب دیتا ہے۔ زندگی میں ایک ترتیب اور ایک خاص نظم و ضبط اس سے پیدا ہوتا ہے۔

10. احساس گناہ:

عقیدۂ آخرت سے انسان کے دل میں گناہ کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اس عقیدہ سے انسان کا ضمیر بیدار رہتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ

اگر یہ عقیدہ نہ ہوتو انسان میں موجود خواہشات نفسانی اس کے ضمیر کو بہت جلد کبھی نہ بیدار ہونے کے لیے سلادیں۔

11. دنیا طلبی سے اجتناب:

اگر آخرت کا تصور موجود نہ ہو اور اسی دنیا کی زندگی کو ہی آخری زندگی سمجھا جائے تو انسان اسی دنیا کو اپنا مقصود بنالے۔ اسی کے لیے جدوجہد ہو اور اس جدوجہد میں جائز و ناجائز کی تمیز بھی مٹ جائے۔ دنیا کی محبت' عہدے کی طلب' عیش و مسرت کے حصول کی خواہش اور بلند سے بلندتر ہوجانے کا جذبہ انسان میں پیدا ہوجائے اور اسی پر صلاحیتیں صرف ہونے لگیں۔ اس کے برعکس آخرت کا عقیدہ انسان میں دنیا سے بے رغبتی اور اخروی فلاح کی طلب پیدا کرتا ہے اور انسان اس عقیدہ کی وجہ سے اس دنیا کو صرف آخرت کی کھیتی سمجھتا ہے۔

12. بہادری و بے خوفی:

آخرت کا عقیدہ انسان کو یہ درس دیتا ہے کہ یہ دنیا اور اس دنیا کی زندگی ہی سب کچھ نہیں ہے بلکہ اصل حیات تو اس زندگی کے بعد ہے۔ چنانچہ اس دنیا کو کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس دنیاوی زندگی کی تکالیف و مشکلات سے بھی آدمی اخروی فلاح کی امید میں بے خوف ہوجاتا ہے۔ اللہ کے رستے میں جان قربان کر کے اخروی فلاح کے حصول کا جذبہ انسان کو نڈر بہادر اور بے خوف بنادیتا ہے۔

اجتماعی زندگی پر عقیدۂ آخرت کے اثرات:

فرد چونکہ معاشرہ کی ایک بنیادی اکائی ہے' اس لیے اثرات کے لحاظ سے فرد اور معاشرہ میں ایک گہرا تعلق موجود ہے۔ فرد کی زندگی پر مرتب ہونے والے اچھے اثرات معاشرہ میں اچھائی پیدا کردیں گے اور فرد کی زندگی پر مرتب ہونے والے برے اثرات معاشرہ میں برائی پیدا کردیں گے۔ چنانچہ جس طرح آخرت کا عقیدہ انفرادی زندگی پر مثبت انداز میں اثر انداز ہوتا ہے' اسی طرح یہ عقیدہ اجتماعی زندگی پر بھی مثبت انداز میں اثرانداز

ہوگا۔ اجتماعی زندگی پر عقیدۂ آخرت کے مرتب کردہ اثرات پر ذیل میں ایک نظر کی جاتی ہے:

1. معاشرتی اتحادِ فکر:

جس معاشرہ کے افراد آخرت کا عقیدہ اپنالیں گے' ان میں ایک اتحادِ فکر قائم ہوجائے گا۔ ان کی سوچ میں ایک وحدت پیدا ہوجائے گی۔ وہ سب اس دنیا اور اس کی زندگی کو ثانوی حیثیت دیں گے اور آخرت اور اخروی حیات کو اولیت دیں گے۔ اس طرح ان کے اعمال بھی اخروی فلاح کے حصول کے لیے ہوں گے اور ان کے افعال و کردار میں بھی ایک وحدت کا تاثر قائم ہوجائے گا۔

2. معاشرتی امن:

معاشرتی امن و سکون عقیدۂ آخرت کا ایک بہت واضح اثر ہے جو کہ اجتماعی زندگی پر مرتب ہوتا ہے۔ معاشرہ کے تمام افراد جب گناہ سے مجتنب اور نیکی کی طرف راغب ہوں گے تو ظاہر ہے کہ معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ بن جائے گا۔

3. اعلیٰ روایات کی ترویج:

آخرت پر یقین رکھنے والے معاشرہ کے افراد رذائل سے اجتناب کریں گے اور محاسن میں زیادہ سے زیادہ بڑھنے کی کوشش کریں گے۔ اس طرح معاشرہ میں اعلیٰ اخلاقی اقدار اور روایات کی ترویج ہوگی۔

4. فلاح انسانیت:

گناہ سے اجتناب' رذائل سے نفرت' بدکرداریوں اور بدفعلیوں سے دوری' نیکی کی طرف رغبت' محاسن کی طرف اشتیاق اور اعلیٰ روایات و اقدار کو اپنانے کی آرزو جس معاشرہ میں پیدا ہوجائے تو وہ معاشرہ فلاح انسانیت کا علمبردار بن جاتا ہے۔

5. خوبصورت معاشرہ کی تشکیل:

جس معاشرہ میں طاقتور ظلم سے اجتناب کرے' کمزور تذلیل سے محفوظ اور باعزت مقام کا حامل ہو' رذائل سے نفرت کی جانے لگے' محاسن کو اپنایا جانے لگے' احسان گناہ بیدار ہو جائے' خودسری اور جاہ طلبی کا خاتمہ ہو جائے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ رضائے الٰہی کے حصول کو اپنا نصب العین بنا لیا جائے' اسے ایک نہایت خوبصورت معاشرہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

6. ترقی وسربلندی:

جب معاشرہ کے افراد میں ذمہ داری اور جوابدہی کا احساس بیدار ہوگا اور محاسن کی طرف شوق ولگن پیدا ہو جائے گی تو اجتماعی لحاظ سے ترقی اور سربلندی کی طرف قدم بڑھنے لگیں گے۔

7. مضبوط معاشرتی اقدار کا فروغ:

جب افراد معاشرہ عقیدۂ آخرت کی وجہ سے نڈر' بے خوف اور بہادر بن جائیں اور جب شہادت اور جہاد کا جذبہ موجزن ہو جائے تو ایسی مضبوط معاشرتی اقدار کو فروغ حاصل ہوگا کہ پھر ایسے معاشرہ کو دبانا یا اسے محکوم بنالینا ناممکن ہو جائے گا اور وہ ناقابل تسخیر ہو جائے گا۔

☆☆☆☆☆☆

انفرادی زندگی میں ارکان اسلام کا کردار

انسان کی زندگی میں ارکان اسلام کا کردار نہایت اہم اور یقینی ہے۔ کبھی یہ کردار اس طرح سے ہوتا ہے کہ انسان خود اسے محسوس کر لیتا ہے اور کبھی یہ بالکل غیر محسوس انداز میں ہوتا ہے۔ ارکان اسلام کا انسانی زندگی میں یہ کردار کئی لحاظ سے ہے۔ ذیل میں ہم صرف چند ایک پر بحث کر رہے ہیں:

1. اقرار وحدانیت:

ارکان اسلام کا انسانی زندگی پر یہ ایک بہت واضح اثر ہے کہ انسان ارکان اسلام کی ادائیگی میں شعوری طور پر اور کبھی کبھی غیر شعوری طور پر بھی اللہ کریم کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے۔ پہلا رکن جس کو ہم عقیدۂ توحید ورسالت قرار دے رہے ہیں' اس میں تو نہایت واضح انداز میں اقرار وحدانیت ہے۔ نماز ہے تو وہ مکمل طور پر وحدانیت الٰہی کا درس ہے۔ روزہ ہے تو "الصوم لی وانا اجزی بہ" (روزہ میرے ہی لیے ہے اور میں خود اس کا اجر دوں گا) کے ارشاد کے مطابق یہ بھی اللہ کی وحدانیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ زکوٰۃ ہے تو اس کی حکمتوں میں ایک یہ بھی ہے کہ اللہ کے وہ بندے جو مفلس اور قلاش ہیں' وہ مالی طور پر اس قدر مستحکم ہو جائیں کہ وہ مایوسی میں اللہ کے در کو چھوڑ نہ بیٹھیں۔ حج ہے تو وہ صرف اور صرف اللہ ہی کے گھر کا ہے۔ گویا تمام ارکان اسلام میں کسی نہ کسی انداز میں اقرار وحدانیت بلکہ درس وحدانیت بھی موجود ہے۔

2. توجہ الی اللہ:

ارکان اسلام توجہ الی اللہ پیدا کرتے ہیں۔ نماز ہر روز پانچ دفعہ یاد الٰہی کی طرف لاتی ہے۔ روزہ ایک پورے مہینہ کے لیے انسان کو اللہ کی طرف متوجہ رکھتا ہے۔ حج رب ذوالجلال کی طرف مکمل توجہ میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ زکوٰۃ رب ذوالجلال کی رضا کے لیے مال کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے اور یہ بھی اللہ کی طرف اور اللہ کے احکام کی طرف توجہ کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اور یہ نہیں کہ نماز صرف چند منٹ کے لیے اللہ کی طرف متوجہ کرتی ہو یا روزہ صرف ایک ماہ کے لیے یاد الٰہی کی طرف راغب رکھتا ہو یا حج صرف چند روز کے لیے اللہ کی طرف مائل کرتا ہو بلکہ ان کے اثرات بعد میں بھی برقرار رہتے ہیں۔

3. مقصدِ حیات سے وابستگی:

انسانی زندگی کا مقصد اللہ کریم نے یہ بتلایا ہے کہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۝

ترجمہ: میں نے جنوں اور انسانوں کو اس کے سوا کسی لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری بندگی کریں۔ (سورۃ الذّٰریٰت آیت نمبر 56)

گویا تخلیقِ انسانی کا مقصد یا انسان کا مقصدِ حیات عبادتِ الٰہی ہے اور ارکانِ اسلام اس مقصدِ حیات سے انسان کو وابستہ رکھتے ہیں۔

4. تعمیرِ سیرت:

ارکانِ اسلام انسان کی سیرت و کردار کی تعمیر میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ایک عبادت گزار بندہ اپنے سیرت و کردار کی اصلاح و پاکیزگی کی طرف ضرور توجہ دے گا۔ جب بندہ اللہ کو راضی کرنے کے لیے نماز ادا کرے گا، زکوٰۃ دے گا، روزے رکھے گا اور حج کرے گا اور ان سب کے ساتھ ساتھ عقیدۂ توحید و رسالت پر بھی پختہ یقین رکھے گا تو وہ بندہ یقیناً یہ گوارا نہیں کرے گا کہ ایک طرف تو وہ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے عبادات کرے اور دوسری طرف اپنے کرداری کوتاہیوں سے رب کریم کی ناراضگی کے اسباب پیدا کرے۔

5. جسمانی طہارت اور پاکیزگی:

ایک بندہ جب ارکانِ اسلام کی ادائیگی کی طرف راغب ہوگا تو لازمی طور پر اسے جسمانی طور پر اپنی طہارت اور پاکیزگی کا بھی خیال ہوگا۔ جب اسے معلوم ہے کہ وہ بے وضو حالت میں یا جنابت کی حالت میں یا نجس لباس کے ساتھ یا نجس مقام پر عبادت و ریاضت میں مشغول نہیں ہو سکتا تو وہ اوقاتِ عبادت اور ان کے علاوہ بھی اپنے آپ کو پاکیزہ رکھے گا کیونکہ اسے احساس ہوگا کہ اب اگر میں اپنے لباس کو ناپاک کر لیتا ہوں تو تھوڑی دیر بعد جب میں نے نماز ادا کرنا ہے تو مجھے پھر اس لباس کو پاک کرنا پڑے گا یا بدلنا پڑے گا، اس لیے وہ یقیناً اوقاتِ عبادت کے علاوہ بھی اپنے جسم، لباس اور مقام کو پاک رکھنے کی کوشش کرے گا۔

6. تزکیۂ نفس:

ارکانِ اسلام انسان کو جسمانی طہارت اور پاکیزگی کے علاوہ تزکیۂ نفس اور گناہ سے اجتناب کی طرف بھی لاتے ہیں۔ نماز کے متعلق ارشادِ ربانی ہے کہ

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ

ترجمہ: بے شک نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ (سورۃ العنکبوت آیت نمبر 45)

اس ارشادِ ربانی میں واضح طور پر اسی امر کی نشاندہی کی گئی ہے۔

7. ضبطِ نفس:

تزکیۂ نفس کے ساتھ ساتھ ارکانِ اسلام انسان میں ضبطِ نفس کی خصوصیت بھی پیدا کرتے ہیں۔ روزہ میں یہ چیز بڑی واضح طور پر سامنے آتی ہے۔ ایک روزہ دار لڑائی جھگڑے اور دنگا فساد یا گالی گلوچ سے اپنے روزے کو متاثر کرنا یقیناً نہیں چاہے گا، اس لیے وہ اپنے نفس پر کنٹرول کرے گا۔ اسی طرح حج میں ضبطِ نفس انتہائی ضروری ہے۔

8. امور میں باقاعدگی:

ارکانِ اسلام امور میں باقاعدگی کا درس دیتے ہیں۔ خصوصاً نماز دن میں پانچ دفعہ بندے کو اللہ کے دربار میں لاتی ہے اور اس میں

ایک تسلسل اور باقاعدگی کا اظہار بھی ہے اور اس کی ترغیب بھی ہے۔ اسی طرح روزہ اگرچہ سال میں صرف ایک مہینہ کے لیے فرض ہے لیکن اس مہینہ میں بھی بغیر ناغہ کے روزانہ روزہ رکھنا امور میں باقاعدگی کا درس دیتا ہے۔ زکوٰۃ کی باقاعدہ ادائیگی بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔

9. پابندیٔ وقت:

امور میں باقاعدگی کے علاوہ ارکان اسلام پابندیٔ وقت کی عادت کو پختہ بنانے میں بھی معاون ہیں اور اس کی طرف ترغیب دیتے ہیں۔ نماز کے مقررہ اوقات، روزہ میں سحر و افطار کے مقررہ اوقات اور حج کے مناسک کے مقررہ ایام و اوقات یہ سب انسان کو پابندیٔ وقت کی طرف لاتے ہیں۔

10. احساس ذمہ داری:

ارکان اسلام کا پابند آدمی جب کلمۂ توحید کا اقرار کرتا ہے تو اسے یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ اس کلمہ کے کچھ تقاضے بھی ہیں۔ میں نے جو عقیدۂ توحید و رسالت کو اختیار کیا ہے تو اب اس عقیدہ کی وجہ سے مجھ پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوں گی جنھیں نبھانا میرے لیے ضروری ہوگا۔ مجھے اپنے اعمال و افعال کو رب قدوس کی رضا کے مطابق بنانا ہوگا۔ ارکان اسلام کے پابند آدمی کو نماز کی ادائیگی اور اس میں پابندی کا بھی احساس ہوگا، اسے یہ بھی احساس ہوگا کہ میں نے رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر ایک مہینہ تک روزے رکھنا ہیں، اس کو یہ بھی احساس ہوگا کہ اگر میں صاحب نصاب ہوں تو اپنے مال سے ایک مقررہ مقدار کو اس کے مصارف پر خرچ کرنا بھی میری ذمہ داری ہے اور اسے یہ احساس بھی ہوگا کہ اگر میں صاحب استطاعت ہوں تو حج کی ادائیگی بھی میرے ذمہ ہے۔ اسے ان سب ذمہ داریوں کا احساس ہوگا اور یہ احساس اس کی زندگی کی دیگر ذمہ داریوں کے نبھانے کی طرف بھی اسے مائل کرے گا اور تمام معاملات میں اس میں احساس ذمہ داری پیدا کر دے گا۔

11. زندگی میں نظم و ضبط:

جس آدمی میں احساس ذمہ داری پیدا ہو جائے، اسے پابندیٔ وقت کی عادت ہو جائے اور امور میں باقاعدگی کو وہ مدنظر رکھتا ہو تو اس آدمی کی زندگی میں یقیناً ایک خاص نظم و ضبط پیدا ہو جائے گا۔ وہ اپنی زندگی ایک خاص انداز میں گزارے گا کہ جو بے ربط نہ ہوگا۔ وہ اپنی زندگی کے لیے کچھ خوبصورت اصول وضع کرے گا کہ جو یقیناً اس کے لیے بہترین ہوں گے۔

12. احساس بندگی:

ارکان اسلام کے پابند آدمی میں احساس بندگی پیدا ہوتا ہے۔ جب وہ عقیدۂ توحید و رسالت کا اقرار کرتا ہے تو وہ ایک طرف رب قدوس کے معبود ہونے اور محمد عربی ﷺ کے رسول ہونے کا اقرار ہوتا ہے اور دوسری طرف خود اپنے متعلق رب کا بندہ اور آپ ﷺ کا غلام اور مطیع ہونے کا بھی اقرار ہوتا ہے۔ نماز، روزہ اور حج بھی اس میں بندگی اور اطاعت کا احساس بیدار کرتے ہیں۔ زکوٰۃ اسے یہ درس دیتی ہے کہ وہ رب کا بندہ ہے اور اس کے پاس جو کچھ بھی مال و زر موجود ہے یہ سب اسی رب ذوالجلال کا عطا کردہ ہے اور اسے اس کی راہ میں خرچ کرنا سب سے بہتر ہے۔

13. تواضع و انکساری:

جب بندہ میں احساس بندگی پیدا ہو جائے تو اس میں تکبر کا بھی خاتمہ ہوتا ہے۔ عقیدۂ توحید و رسالت اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کی طرف لے آتا ہے۔ اب اس کے ذہن میں یہ بات پیدا نہیں ہوتی کہ میں ہی سب کچھ ہوں بلکہ وہ یہ سوچتا ہے کہ میں رب ذوالجلال والاکرام کا ایک عاجز بندہ ہوں۔ نماز اسے بارگاہ ایزدی میں جھکنا سکھاتی ہے۔ روزہ اسے اپنی خواہشات کو رب کی رضا کے تابع کرنے کا درس دیتا ہے۔ زکوٰۃ اسے یہ باور کراتی ہے کہ مجھے اس مال و دولت پر اکڑنا نہیں چاہیے۔ یہ میرا ذاتی کمال نہیں بلکہ رب کا عطا کردہ ہے۔ حج اسے رب قدوس کی جلالت اور اپنی درماندگی کا درس دیتا ہے۔

14. خودداری وعزت نفس:

ایک طرف ارکان اسلام بندے میں تواضع اور انکساری پیدا کرتے ہیں اور دوسری طرف اسے نیچ اور گھٹیا بننے سے بھی روکتے ہیں اور اس میں خودداری اور عزت نفس پیدا کرتے ہیں۔ عقیدۂ توحید ورسالت اسے یہ سکھاتا ہے کہ میں نے صرف اور صرف باری تعالیٰ کے دربار میں سر جھکانا ہے۔ میرا سر اس کے دربار کے علاوہ کسی اور جگہ نہیں جھک سکتا۔ میں اشرف المخلوقات ہوں اور مجھے یہ زیب نہیں دیتا کہ میں در بدر بھکاری بن کر ٹھوکریں کھاتا پھروں۔ نماز اسے سکھاتی ہے کہ اس معبود حقیقی کے سامنے تو سجدہ ہوگا لیکن کسی اور کے سامنے جھکنا میری توہین ہوگا۔ حج اسے سکھاتا ہے کہ اس جاہ وجلال والے کے گھر کا طواف تو میرے لیے روا ہے' کسی اور گھر کا طواف میری عزت وتوقیر پر ضرب ہوگا۔ رب قدوس کی بارگاہ میں جھکنا اور اس کے گھر کا طواف انسان کی عزت وتوقیر میں کمی نہیں کرتا بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ جو بارگاہ الٰہی میں زیادہ جھکنے والے تھے انہیں ہمیشہ زیادہ عزت اور شرف حاصل ہوا ہے۔

15. امداد باہمی:

ارکان اسلام امداد باہمی اور ایک دوسرے سے خیر سگالی کے جذبات کو بھی پروان چڑھاتے ہیں۔ نماز کے لیے اکٹھے ہونے والے افراد ایک دوسرے کے دکھ درد سے آگاہ ہوتے ہیں' روزہ رکھنے والا فاقے کرنے والوں کے درد کو محسوس کرتا ہے' حج کا اجتماع بین الاقوامی سطح پر اہل اسلام کو ایک دوسرے کے قریب کر کے انہیں ایک دوسرے کے مسائل ومصائب سے باخبر کرنے میں معاون ہے اور زکوٰۃ تو خاص طور پر امداد باہمی کا ایک بہت اہم ذریعہ اور ایک بہترین اقدام وانتظام ہے۔

16. تسکین قلب:

ارکان اسلام کی ادائیگی کا انسان کی زندگی میں ایک انتہائی اہم کردار یہ بھی ہے کہ یہ اسے سکون قلب اور طمانیت بخشتے ہیں:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۝

ترجمہ: خبردار رہو! اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے۔ (سورۃ الرعد آیت نمبر 28)

17. رضائے الٰہی کا حصول:

ارکان اسلام کا انسان کی زندگی میں سب سے اہم کردار یہ ہے کہ ان کے ذریعے رب کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ یہ وہ کردار ہے کہ جس کا اثر اس زندگی میں عموماً ظاہر نہیں ہوتا' البتہ حیات اخروی میں اس کا خوبصورت اثر اور ثمر ظاہر ہوگا۔

اجتماعی زندگی میں ارکان اسلام کا کردار

اجتماعی زندگی انفرادی زندگی پر مرتب ہوتی ہے اور یہ ایک واضح سی بات ہے کہ اگر انفرادی زندگی کچھ اثرات قبول کرے تو اجتماعی زندگی پر بھی یقیناً کچھ اثرات ہوں گے۔ انفرادی زندگی پر اثرات مرتب ہونے کے بعد اجتماعی زندگی اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتی اور جب ہم یہ واضح کر چکے کہ ارکان اسلام انسان کی انفرادی زندگی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور کئی اثرات مرتب کرتے ہیں تو اس کا واضح نتیجہ یہ ہے کہ یہ ارکان اسلام انسان کی اجتماعی یا معاشرتی زندگی میں بھی یقیناً اہم کردار ادا کرتے ہیں اور اثرات مرتب کرتے ہیں۔ ذیل میں ہم اس کردار اور ان اثرات پر بحث کر رہے ہیں:

1. اعلیٰ روایات کی ترویج:

جس معاشرہ کے افراد میں امور میں باقاعدگی' پابندی وقت اور احساس ذمہ داری بیدار ہو جائے گا' اس معاشرہ میں یقیناً اعلیٰ روایات کی ترویج ہوگی۔ ان صفات کے حامل افراد آہستہ آہستہ دیگر افراد کو بھی ان کی طرف راغب کر دیں گے۔ بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ

دیگر افراد بھی خود بخود ان اوصاف کی طرف مائل ہو جائیں گے اور مائل ہونے کے لیے مجبور ہوں گے۔ کیونکہ اگر معاشرہ میں ایک طبقہ ان صفات سے متصف ہے تو اس طبقہ کے ساتھ رہتے ہوئے دوسرے افراد کو بھی اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کرنے ہوں گے ورنہ ان کے ساتھ ان کا گزارہ ممکن نہ ہو سکے گا۔

2. خوبصورت معاشرہ کی تشکیل:

جب ایک معاشرہ میں اعلیٰ روایات ترویج پا جائیں اور اس معاشرہ کے افراد خوبصورت سیرت و کردار رکھتے ہوں' جسمانی و روحانی طہارت و پاکیزگی کا خیال رکھتے ہوں' ضبط نفس اور تواضع و انکساری اپنے اندر رکھتے ہوں' امداد باہمی کے اصولوں کی پیروی کرتے ہوں' خود دار اور باغیرت ہوں اور اپنی زندگی میں ایک خاص نظم و ضبط رکھتے ہوں تو اس معاشرہ کو یقیناً ایک خوبصورت معاشرہ قرار دیا جائے گا۔ چنانچہ ارکان اسلام افراد میں یہ خصوصیات پیدا کر کے خوبصورت معاشرہ کی تشکیل کرتے ہیں۔

3. نظم و ضبط:

معاشرہ کے افراد کے اندر ارکان اسلام کے ذریعے نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے اور جب افراد میں ایک خاص نظم و ضبط موجود ہو تو یقیناً معاشرہ میں اجتماعی طور پر بھی نظم و ضبط پیدا ہو جاتا ہے۔

4. اخوت و مساوات:

ارکان اسلام ایک معاشرہ میں اخوت و مساوات پیدا کرتے ہیں۔ عقیدۂ توحید و رسالت مسلم معاشرہ کے افراد میں یہ شعور بیدار کرتا ہے کہ ہم سب اللہ کے بندے ہونے میں اور رسول اللہ کے اطاعت گزار ہونے میں برابر ہیں۔ نماز انہیں عملی طور پر ایک صف میں لا کھڑا کرتی ہے۔ روزہ میں جس طرح ایک کمزور' غریب اور مفلس کو بھوک پیاس برداشت کرنا پڑتی ہے اسی طرح ایک طاقتور' امیر اور مالدار آدمی کو بھی چھوٹ نہیں ہے۔ زکوٰۃ غریب اور کمزور کو ایک استحکام بخشتی ہے اور مالدار کے دل میں اس کے لیے اخوت اور بھائی چارے کے جذبات پیدا کرتی ہے۔ حج آقا و غلام' بادشاہ و گدا اور امیر و فقیر سب کو ایک گھر میں لے آتا ہے اور سب کو ایک لباس پہنا دیتا ہے اور یہ مساوات کا بہت واضح اظہار ہے۔

5. اخلاقی اقدار کا فروغ:

ارکان اسلام معاشرہ میں اخلاقی اقدار کو بھی فروغ دیتے ہیں۔ اخوت و مساوات اور بھائی چارے کے جذبات کو پروان چڑھا کر یہ ایک دوسرے کا احساس پیدا کرتے ہیں اور جب معاشرہ کے افراد میں ایک دوسرے کا احساس پیدا ہو جائے تو ان کے آپس کے روابط اخلاقیات کے دائرہ میں بند ہو جاتے ہیں اور اس طرح معاشرہ میں اخلاقی اقدار فروغ پاتے ہیں۔

6. معاشرہ روابط میں ترقی:

ارکان اسلام انسانیت کو ایک دوسرے کے قریب کرتے ہیں۔ نماز اور حج معاشرتی روابط میں ترقی کے دو اہم ذرائع ہیں۔ اس سلسلہ میں نماز کی اہمیت اس لحاظ سے ہے کہ نماز ایک روزانہ کا ذریعۂ ربط ہے اور حج کو اس لحاظ سے اہمیت حاصل ہے کہ وہ ایک بین الاقوامی سطح کا ذریعۂ ربط ہے۔

7. اتحاد فکر:

ارکان اسلام اور خصوصاً عقیدۂ توحید و رسالت افراد معاشرہ میں ایک فکری اتحاد پیدا کرتے ہیں۔ معاشرہ کے سب افراد اس یقین پر پختہ ہو جاتے ہیں کہ ان سب کا معبود صرف اور صرف ایک اللہ ہے اور یہ کہ ان سب کے آقا و مرشد اور راہنما و رہبر رحمت دو عالم ﷺ ہیں' ان کا یہ اجتماعی عقیدہ بن جاتا ہے کہ ہم سب نے ایک اللہ کے آگے جھکنا ہے اور اس کے احکام کی پیروی کرنا ہے اور محمد عربی ﷺ کی اطاعت کرنا ہے۔

نماز اس فکری وحدت کا عملی اظہار بن جاتی ہے۔

8. اقتصادی بدحالی کا خاتمہ:

زکوٰۃ معاشرہ میں دولت کی منصفانہ تقسیم کے ذریعے معاشرہ کی اقتصادی بدحالی کا خاتمہ کرتی ہے۔ یہ غریب کو غریب تر ہونے سے بچا کر اسے استحکام دیتی ہے اور اسے اپنے قدموں پر کھڑا کر کے معاشرہ میں کارآمد بناتی ہے اور جب معاشرہ کے غریب افراد مستحکم اور کارآمد بن جائیں اور ان کے پاس اس قدر سرمایہ آجائے کہ وہ اس سرمایہ کے ذریعے اپنا کام کر سکیں اور اپنے آپ کو مالی طور پر مزید مستحکم کر سکیں تو معاشرہ سے اقتصادی بدحالی کا خاتمہ یقینی ہے۔

9. جماعت بندی کا شعور:

نماز اور حج میں امیر کی اطاعت معاشرہ کے افراد میں جماعت بندی کا شعور پیدا کرنے میں معاون ہے۔ فکری وحدت اور اتحاد فکر بھی جب اس کے ساتھ شامل ہو جائے تو یہ شعور زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ زکوٰۃ سے جماعت کے غریب افراد کی اعانت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اور یہ جذبہ بھی جماعت بندی کا شعور بیدار کرنے میں معاون ہے۔

10. ترقی و سربلندی:

ارکان اسلام افراد کی سیرت و کردار کی تعمیر کرتے ہیں' ان میں جسمانی و روحانی طہارت اور پاکیزگی کا احساس پیدا کرتے ہیں' انہیں ضبط نفس' امور میں باقاعدگی' پابندی وقت اور احساس ذمہ داری جیسی صفات سے متصف کرتے ہیں' ان کی زندگیوں میں نظم و ضبط پیدا کرتے ہیں' ان میں تواضع کے ساتھ ساتھ خودداری پیدا کرتے ہیں اور ان میں اخوت و مساوات کی ترویج کرتے ہیں اور یہ سب کچھ کسی قوم یا معاشرہ کی ترقی اور سربلندی کی راہ ہموار کرنے میں معاون ہے۔

11. فلاح انسانیت:

چونکہ ارکان اسلام معاشرہ میں اعلیٰ روایات کی ترویج کرتے ہیں' معاشرہ میں اخلاقی اقدار کے فروغ میں معاون ہیں اور خوبصورت معاشرہ کی تشکیل کرتے ہیں اس لیے ایسے معاشرہ کے افراد کو اجتماعی طور پر فلاح حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ارکان اسلام فلاح انسانیت کا خوبصورت ذریعہ ہیں۔ علاوہ ازیں انسانیت کی اخروی فلاح کے لیے بھی ارکان اسلام کی پابندی نہایت ضروری ہے۔

☆☆☆☆☆☆

نماز

معنی و مفہوم:

نماز عبادات اسلامیہ میں سب سے بنیادی عبادت ہے۔ اس کا شمار بدنی عبادات میں ہوتا ہے۔ نماز کے لیے عربی کا لفظ صلاۃ یا صلوٰۃ استعمال ہوتا ہے۔ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں نماز کے لیے عموماً یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔ صلاۃ یا صلوٰۃ کا معنی ہے دعا یا تسبیح۔ اس کی جمع صَلَوات آتی ہے۔ صلوٰۃ کا ایک دوسرا معنی رحمت ہے۔ اللہ کی رحمت کے لیے کہا جاتا ہے صلوٰۃ من اللہ۔

نماز کی فرضیت و اہمیت قرآن و حدیث کی روشنی میں:

نماز کی فرضیت و اہمیت سے متعلق آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ ذیل میں ہم صرف چند آیات و احادیث کا ذکر کر رہے ہیں:

آیاتِ قرآنیہ:

☆ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۝

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو لوگ جھک رہے ہیں ان کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 43)

☆ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور تم اپنے لیے جو بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 110)

☆ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ

ترجمہ: اپنی نمازوں کی نگہداشت رکھو۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 238)

☆ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۝

ترجمہ: بے شک نماز ایسا فرض ہے جو پابندیٔ وقت کے ساتھ اہل ایمان پر لازم کیا گیا ہے۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 103)

☆ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۝ۙ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۝

ترجمہ: پس تباہی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں۔ (سورۃ الماعون آیت نمبر 4,5)

☆ اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ۝

ترجمہ: جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں بے شک وہ ایک ایسی تجارت کے متوقع ہیں جس میں ہرگز خسارہ نہ ہوگا۔ (سورۃ فاطر آیت نمبر 29)

☆ اِنَّنِيْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۝

ترجمہ: بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی اللہ نہیں ہے پس تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔ (سورۃ طٰہٰ آیت نمبر 14)

☆ وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ

ترجمہ: اپنے اہل و عیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند ہو۔ (سورۃ طٰہٰ آیت نمبر 132)

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ

ترجمہ: پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ۔ (سورۃ الحج آیت نمبر 78)

☆ قُلْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ

ترجمہ: (اے نبی ﷺ!) تلاوت کرو اس کتاب کی جو آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجی گئی ہے اور نماز قائم کرو۔ (سورۃ العنکبوت آیت نمبر 45)

☆ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ اَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

ترجمہ: (اے نبی ﷺ!) آپ کہئے کہ حقیقت میں صحیح رہنمائی تو صرف اللہ ہی کی راہنمائی ہے اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جہانوں کے رب کے آگے سر اطاعت خم کر دو اور یہ کہ نماز قائم کرو۔ (سورۃ الانعام آیات نمبر 71'72)

☆ وَ الَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝

ترجمہ: اور جو لوگ کتاب کی پابندی کرتے رہے اور جنہوں نے نماز قائم رکھی یقیناً ایسے نیک کردار لوگوں کا اجر ہم ضائع نہیں کریں گے۔ (سورۃ الاعراف آیت نمبر 170)

☆ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ

ترجمہ: سوائے اس کے نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کے آباد کار تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور روز آخر کو مانا اور نماز قائم کی۔ (سورۃ التوبہ آیت نمبر 18)

احادیث نبویہ:

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

"پانچ نمازیں اور جمعہ جمعہ تک کفارہ ہیں ان گناہوں کا جو ان کے درمیان ہوں جب تک کہ کبیرہ گناہ نہ کیے گئے ہوں۔"

☆ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

"مومن بندے اور کافر کے درمیان نماز کا فرق ہے۔"

☆ حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص سے ایک روایت میں حضور اکرم ﷺ کے الفاظ بے حد سخت ہیں۔ فرمایا کہ

"جو نماز کی حفاظت نہیں کرتا اس کے لیے نور اور دلیل اور نجات نہیں ہے اور قیامت کے روز وہ قارون اور فرعون اور ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہو گا۔"

☆ بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہؓ سے استفسار کیا کہ اگر تمہارے دروازے کے سامنے ایک نہر ہو اور تم پانچ وقت اس میں نہاؤ تو کیا تمہارے جسم پر کوئی میل باقی رہ جائے گا؟ صحابہؓ نے کہا کہ نہیں۔ آپ ؐ نے فرمایا کہ

"یہی پانچ نمازوں کی مثال ہے۔ اللہ ان کے سبب سے گناہوں کو معاف کرتا ہے۔"

☆ حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ خزاں کے موسم میں حضور اکرم ﷺ نے ایک درخت کی دو شاخیں پکڑ کر انہیں ہلایا۔ ان پر سے پتے جھڑنے لگے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ

"جب مسلمان بندہ اللہ کو راضی کرنے کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس سے اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں، جس طرح اس درخت سے پتے جھڑ رہے ہیں۔"

☆ حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

"جو شخص اچھی طرح وضو بنائے اور پھر فرض نماز ادا کرے تو اللہ اس کے اس دن کے وہ گناہ جو چلنے سے ہوئے ہوں اور جو اس کے ہاتھوں نے کیے ہوں اور جو اس کی آنکھوں نے کیے ہوں اور جو اس کے دل میں پیدا ہوئے ہوں، سب معاف کر دیتا ہے۔"

☆ ایک موقع پر حضور اکرم ﷺ نے تین دفعہ فرمایا کہ

"نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔"

☆ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

"نماز ی شہنشاہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور جو دروازہ کھٹکھٹاتا ہے وہ آخر کار کھلتا ہی ہے۔"

☆ ارشاد فرمایا کہ

"نماز کا مرتبہ دین میں ایسے ہے کہ جیسے سر کا مقام جسم میں ہے۔"

☆ معروف حدیث نبویؐ ہے کہ

"نماز دین کا ستون ہے۔"

☆ فرمایا کہ

"نماز جنت کی کنجی ہے۔"

☆ ارشاد نبویؐ ہے کہ

"نماز افضل جہاد ہے۔"

☆ ارشاد فرمایا کہ

"نماز مومن کا نور ہے۔"

☆ آپؐ کا ارشاد ہے کہ

"اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے میری امت پر نماز فرض کی اور قیامت میں سب سے پہلے نماز ہی کا حساب ہوگا۔"

نماز کے فوائد و ثمرات:

انسان کی انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی میں ارکان اسلام کے کردار کے ضمن میں ہم نماز اور دیگر عبادات اسلامیہ پر بالتفصیل بحث کر چکے ہیں۔ ذیل میں مختصر انداز میں نماز کے فوائد و ثمرات کا ذکر کر رہے ہیں:

☆ نماز سے انسان کے دل میں خشیت الٰہی پیدا ہوتی ہے۔
☆ نماز سے آدمی اللہ رب العزت اور اس کے احکام کی طرف متوجہ رہتا ہے۔
☆ نماز سے انسان کی سیرت و کردار کی تعمیر ہوتی ہے۔
☆ نماز کی وجہ سے انسان اپنے جسم، لباس اور جائے قیام کی پاکیزگی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔
☆ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔
☆ نماز معاملات حیات میں باقاعدگی کا درس دیتی ہے۔

☆ نماز پابندیٔ وقت کی عادت کو پختہ کرتی ہے۔
☆ نماز انسان میں احساسِ ذمہ داری پیدا کرتی ہے۔
☆ نماز انسان کی زندگی میں نظم وضبط پیدا کرنے میں معاون ہے۔
☆ نماز اخوت ومساوات کے جذبات کو پروان چڑھاتی ہے۔
☆ نماز انسان کو گناہوں سے پاک کرتی ہے۔
☆ نماز فلاحِ اُخروی کے حصول کا ذریعہ ہے۔
☆ نماز میں ہر مسلمان کے قبلہ رو ہونے سے مرکز سے وابستگی کا احساس بیدار ہوتا ہے۔
☆ نماز اطاعتِ امیر کا شعور پیدا کرتی ہے۔
☆ نماز انسان میں تواضع اور انکساری پیدا کرتی ہے۔
☆ نماز بندے کو صرف ایک اللہ کے آگے جھکنے کا درس دے کر اس میں خودداری اور عزتِ نفس پیدا کرتی ہے۔
☆ نماز دل کو سکون اور اطمینان بخشتی ہے۔
☆ نماز بندے کو استقامت کی راہ پر گامزن کرتی ہے۔
☆ نماز رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔

نماز کے انفرادی واجتماعی زندگی پر اثرات

انفرادی زندگی پر اثرات:

1. توجہ الی اللہ:

نمازی جب ہر روز پانچ دفعہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سربسجود ہوتا ہے تو اس کے دل میں رب ذوالجلال کی طرف ایک خاص توجہ پیدا ہوتی ہے۔ نماز کے علاوہ بھی پھر یہ توجہ قائم رہتی ہے۔

2. تسکینِ قلب:

نماز کا انسان کی انفرادی زندگی پر ایک بہت بڑا اثر یہ بھی ہے کہ خواہ کسی قسم کے نامساعد حالات ہی کیوں نہ ہوں اس کے دل میں سکون واطمینان برقرار و بحال رہتا ہے۔

3. طہارت و پاکیزگی:

نمازی کو چونکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ اس نے پانچ وقت پاکیزہ حالت میں دربارِ الٰہی میں حاضری دینا ہے لہٰذا وہ اپنے جسم اور لباس کی طہارت و پاکیزگی کا خیال رکھتا ہے بلکہ اپنے اردگرد کی پاکیزگی کی طرف بھی توجہ دیتا ہے۔

4. تعمیرِ سیرت:

پانچ وقت کے نمازی کو کوئی بھی غلط کام کرتے وقت یہ خیال رہے گا کہ ابھی تو میں نماز پڑھ کے اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کر کے آیا ہوں اور ابھی تھوڑی دیر بعد پھر مجھے نماز کے لئے جانا ہے تو میرے لئے مناسب نہیں کہ اب میں گناہ کا ارتکاب کروں۔ اس طرح اسکی سیرت کی تعمیر ہوتی ہے۔

5. نظم وضبط کی طرف توجہ:

جب ایک نمازی باقاعدہ پانچ وقت کی پابندی کے ساتھ نماز ادا کرے گا تو اس میں امور میں باقاعدگی اختیار کرنے اور پابندیٔ وقت کی صفات پیدا ہوں گی اور وہ زندگی کے دیگر امور میں بھی ان باتوں کا خیال رکھے گا۔ اس طرح زندگی میں نظم وضبط کی طرف مائل ہوگا۔

6. فلاح اخروی کی امید:

ایک نمازی جب باقاعدگی سے رب کے آگے سر بسجود ہوتا ہے تو اس کے دل میں اخروی فلاح کی امید پیدا ہوتی ہے اور وہ مایوسی سے نکلتا ہے۔

7. رضائے الٰہی کا حصول:

نماز کے دیگر اثرات کے علاوہ ایک یہ بھی ہے کہ نمازی بندے سے اللہ راضی ہوتے ہیں اور اللہ کی رضا دنیا و آخرت میں سب سے بڑی و قیمتی چیز ہے۔

اجتماعی زندگی پر اثرات

1. اخوت ومساوات:

جب نمازی روزانہ پانچ وقت مسجد میں جمع ہوتے ہیں تو ان میں آپس میں بھائی چارے اور برابری کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔

2. معاشرتی روابط میں ترقی:

نمازیوں کی پانچ وقت مسجد میں ملاقات انکے درمیان اچھے تعلقات پیدا کرنے میں معاونت کرتی ہے اور اس طرح معاشرتی روابط میں ترقی پیدا ہوتی ہے۔

3. اتحادِ فکر:

جب تمام نمازی ایک ہی جگہ جمع ہوکر ایک ہی امام کے پیچھے ایک ہی سمت میں رخ کر کے ایک ہی رب کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں تو اس سے ان میں نظریات کا اتحاد اور مرکز سے وابستگی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

4. جماعت بندی کا شعور:

جب نمازی روزانہ پانچ وقت ایک خاص مقام پر ایک خاص انداز میں صف بندی کر کے کبھی اکٹھے رکوع و سجود اور قیام و قعود کرتے ہیں تو ان میں اجتماعیت اور جماعت بندی کا شعور بیدار ہوتا ہے۔

5. معاشرتی نظم وضبط:

نماز میں وقت کی پابندی اور سب افراد کے ایک ہی خاص انداز میں قیام وقعود اور رکوع وسجود سے نمازیوں کی زندگی میں ایک خاص نظم وضبط پیدا ہوتا ہے اور انفرادی زندگی کا نظم وضبط معاشرتی نظم وضبط تشکیل دیتا ہے۔

6. اطاعتِ امیر:

نماز میں چونکہ سب نمازیوں نے ایک ہی امام کے پیچھے اس کی اقتداء میں ایک جیسے افعال اس کے ساتھ ساتھ سرانجام دینے ہوتے ہیں' چنانچہ اس سے نمازیوں میں اطاعتِ امیر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

ضروری نوٹ:

''نماز کے انفرادی و اجتماعی زندگی پر اثرات'' کے مطالعہ کے لئے مزید دیکھئے ''ارکانِ اسلام کا انفرادی و اجتماعی زندگی میں کردار'' اور ''نماز کے فوائد و ثمرات۔''

THE CSS POINT
Yes We Can Do It!

روزہ

معنی و مفہوم:

روزہ ایک اہم بدنی عبادت ہے۔ روزہ کے لیے عربی کا لفظ صوم استعمال ہوتا ہے جس کا معنی ہے کسی کام سے رکنا۔ روزہ ایک مخصوص وقت کے لیے کھانے' پینے اور جماع سے رکنے کا نام ہے۔ مسلمانوں پر سال میں ایک مہینہ رمضان المبارک کے روزے فرض کیے گئے ہیں۔ یہ مہینہ کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے اور کبھی تیس دن کا۔

روزہ کی فرضیت و اہمیت قرآن و حدیث کی روشنی میں:

روزہ کی فرضیت و اہمیت کے متعلق بہت سے ارشادات ربانی اور نبوی موجود ہیں جن سے ہم چند ایک کا ذکر کر رہے ہیں۔

آیات قرآنیہ:

☆ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزے فرض کر دیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو۔ چند مقرر دنوں کے روزے ہیں۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 183' 184)

☆ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ

ترجمہ: رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ پس تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے اس کو لازم ہے کہ اس مہینے کے روزے رکھے۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 185)

☆ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ

ترجمہ: اور کھاؤ اور پیو۔ یہاں تک کہ تم کو سیاہ دھاری سے صبح کی سفید دھاری نمایاں نظر آ جائے۔ تب رات تک روزہ پورا کرو۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 187)

☆ إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْقٰنِتِيْنَ وَ الْقٰنِتٰتِ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰبِرٰتِ وَ الْخٰشِعِيْنَ وَ الْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ وَ الصَّآئِمِيْنَ وَ الصّٰٓئِمٰتِ وَ الْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا۝

ترجمہ: بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور مطیع فرمان مرد اور مطیع فرمان عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صابر مرد اور صابر عورتیں اور اللہ کے آگے جھکنے والے مرد اور اللہ کے آگے جھکنے والی عورتیں اور صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور عورتیں اُن سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔ (سورۃ الاحزاب آیت نمبر 35)

روزہ کے فوائد وثمرات:

انسان کی انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی میں ارکان اسلام کے کردار کے ضمن میں ہم روزہ اور دیگر عبادات اسلامیہ پر بالتفصیل بحث کر چکے ہیں۔ ذیل میں ہم مختصر انداز میں روزہ کے فوائد وثمرات کا ذکر کر رہے ہیں:

☆ روزہ سے انسان باری تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔
☆ روزہ برکات الٰہی کے حصول کا ایک راستہ اور ذریعہ ہے۔
☆ روزہ انسان کی سیرت وکردار کی تعمیر کرتا ہے۔
☆ روزہ گناہوں کو مٹا کر جہنم کی آگ سے نجات کا ذریعہ بنتا ہے۔
☆ روزہ دار اپنی جسمانی طہارت اور پاکیزگی کی طرف بھی متوجہ رہتا ہے۔
☆ روزہ انسان میں تقویٰ اور تزکیہ نفس پیدا کرتا ہے۔
☆ روزہ بھوک و پیاس برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا کر کے انسان کو نامساعد حالات کے لیے تیار کرتا ہے۔
☆ روزہ انسان میں ضبط نفس پیدا کرتا ہے۔
☆ روزہ معدے کی اصلاح کے ذریعے کئی بیماریوں سے تحفظ فراہم کرتا ہے۔
☆ روزہ کچھ خاص ضوابط کی پابندی کے ذریعے انسان میں احساس ذمہ داری پیدا کرتا ہے۔
☆ روزہ خواہشات نفسانی پر کنٹرول کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔
☆ روزہ انسان میں احساس بندگی بیدار کرتا ہے۔
☆ روزہ فاقہ زدہ افراد کے لیے تڑپ اور احساس ہمدردی پیدا کرتا ہے۔
☆ روزہ رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔

روزہ کے انفرادی واجتماعی زندگی پر اثرات

انفرادی زندگی پر اثرات:

1. تعمیر سیرت:

روزہ دار چونکہ ایک پورا مہینہ گناہ وعصیان بلکہ عام حالات میں کچھ جائز امور سے بھی اجتناب کرتا ہے' اس سے باقی

معنوں میں بھی اسکی سوچ میں تبدیلی آتی ہے اور وہ گناہوں سے اجتناب کرتا ہے اور اسکی سیرت کی تعمیر ہوتی ہے اور وہ نفس کی پاکیزگی کی طرف مائل ہوتا ہے۔

2. ضبط نفس:

روزہ کی حالت میں چونکہ کچھ ایسے امور سے بھی ایک مخصوص وقت میں اجتناب برتا جاتا ہے جو کہ عام حالات میں جائز اور روا ہوتے ہیں اس سے روزہ دار میں اپنی نفسانی خواہشات پر کنٹرول اور ضبط نفس کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

3. ناساعد حالات کی تیاری:

روزہ میں بھوک و پیاس برداشت کرنے سے انسان میں یہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے کہ اگر کبھی اس پر فاقہ کشی وغیرہ جیسے ناساعد حالات بھی آ جائیں تو وہ ان سے گھبراتا نہیں ہے۔

4. بیماریوں سے تحفظ:

جدید تحقیقات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ایک ماہ کے مسلسل روزے کئی قسم کی بیماریوں سے تحفظ کا باعث بنتے ہیں اور خاص طور پر معدے کی اصلاح میں معاون ہیں۔

5. فلاح اُخروی کی امید:

روزہ دار کے دل میں اُخروی فلاح کی امید پیدا ہوتی ہے اور وہ مایوسی کے تاریک سایوں سے باہر آ جاتا ہے۔

6. رضائے الٰہی کا حصول:

روزہ رضائے الٰہی کے حصول کا بھی ذریعہ ہے اور ظاہر ہے جسے رضائے الٰہی حاصل ہو گئی اسے گویا دنیا و آخرت کی سب دولتیں مل گئیں۔

اجتماعی زندگی پر اثرات:

1. اخوت و مساوات:

رمضان المبارک کا پورا مہینہ جب مسلمان اکٹھے بھوک پیاس برداشت کرتے ہیں اور عبادت کی طرف مائل رہتے ہیں تو ان میں آپس میں اخوت و مساوات کی فضا قائم ہوتی ہے۔

2. باہمی ہمدردی:

روزہ دار جب بھوک و پیاس برداشت کرتا ہے تو اس کے دل میں ان غریبوں کے لئے احساس بیدار ہوتا ہے کہ جو فاقہ کشی کے عالم میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اس طرح معاشرہ میں باہمی ہمدردی کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔

3. اخلاقی اقدار کا فروغ:

جب معاشرہ میں باہمی ہمدردی کے جذبات پیدا ہو جائیں تو غریبوں و یتیموں کے لئے بھی احساس پیدا ہوگا اور مقابلہ میں ان احساس کرنے والوں کے لئے بھی غریبوں و یتیموں کے دل میں ایک اچھا مقام پیدا ہوگا۔ اس طرح اخلاقی اقدار کو فروغ حاصل ہوگا۔

4. اعلیٰ روایات کی ترویج:

جب معاشرہ میں باہمی ہمدردی کے جذبات ہونگے اور اخلاقی اقدار کو فروغ حاصل ہوگا تو معاشرہ اچھائیوں اور نیکیوں کی

طرف مائل ہوگا اور اس طرح معاشرہ میں اعلیٰ روایات کی ترویج ہوگی۔

5. خوبصورت معاشرہ کی تشکیل:

جب معاشرہ میں باہمی ہمدردی کے جذبات ہوں' اخلاقی اقدار کو فروغ ہو اور اچھائیوں اور نیکیوں کی طرف لوگوں کا رجحان ہو تو یقیناً وہ معاشرہ ایک خوبصورت اور مثالی معاشرہ بن جائے گا۔

ضروری نوٹ:

''روزہ کے انفرادی واجتماعی زندگی پر اثرات'' کے مطالعہ کے لئے مزید دیکھئے ''ارکان اسلام کا انفرادی واجتماعی زندگی میں کردار'' اور ''روزہ کے فوائد وثمرات۔''

زکوٰۃ

معنی ومفہوم:

زکوٰۃ عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کا لغوی معنی پاکیزگی ہے۔ چونکہ یہ مال کو پاک کرنے والی ہے' اس لیے اسے زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ یہ ایک اہم مالی عبادت ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں عموماً نماز کے ساتھ کیا گیا ہے۔ زکوٰۃ ہر ایک پر لازم نہیں ہے بلکہ یہ صرف صاحب نصاب افراد پر ہے اور ایک خاص متعین شرح کے ساتھ ہے۔ اس کے مصارف بھی متعین ہیں۔

زکوٰۃ کی فرضیت واہمیت قرآن وحدیث کی روشنی میں:

قرآن حکیم میں کئی مقامات پر اور اسی طرح کئی احادیث میں زکوٰۃ کی فضیلت واہمیت کا بیان موجود ہے۔ ذیل میں ہم چند آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ذکر کررہے ہیں:

آیات قرآنیہ:

☆ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ○

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو لوگ جھک رہے ہیں ان کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 43)

☆ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور تم اپنے لیے جو بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 110)

☆ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ

ترجمہ: پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ۔ (سورۃ الحج آیت نمبر 78)

☆ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (سورۃ النور

آیت نمبر 56)

☆ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ

ترجمہ: پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔ (سورۃ المجادلہ آیت نمبر 13)

☆ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہو۔ (سورۃ المزمل آیت نمبر 20)

☆ وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ

ترجمہ: اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دورِ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔ (سورۃ الاحزاب آیت نمبر 33)

☆ فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ۝

ترجمہ: ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک مقرر حق ہے۔ (سورۃ المعارج آیات نمبر 24'25)

☆ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ

ترجمہ: اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو نشوونما دیتا ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 276)

☆ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝

ترجمہ: مردوں اور عورتوں میں سے جو لوگ صدقات دینے والے ہیں اور جنہوں نے اللہ کو قرض حسنہ دیا ہے بے شک ان کو کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور ان کے لیے بہترین اجر ہے۔ (سورۃ الحدید آیت نمبر 18)

☆ وَ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

ترجمہ: اور میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے اور اسے میں ان لوگوں کے حق میں لکھوں گا جو نافرمانی سے پرہیز کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور میری آیات پر ایمان لائیں گے۔ (سورۃ الاعراف آیت نمبر 156)

احادیث نبویہ:

حضور اکرم ﷺ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو آپ ؓ کو نصیحت فرمائی کہ

''اہلِ یمن کو اس چیز کی طرف دعوت دینا کہ وہ گواہی دیں کہ کوئی معبود نہیں مگر اللہ اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ پس جب وہ تسلیم کر لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ پس جب وہ مان لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان کے اموال میں ایک صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے مالداروں سے لیا جائے گا اور ان

کے فقراء کو دیا جائے گا۔"

☆ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی حضور اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے کہ جس کو میں کروں تو جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا

"تو اللہ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنا اور تو فرض نماز ادا کر اور تو فرض زکوٰۃ دے اور تو رمضان کے روزے رکھ۔"

اس اعرابی نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میں اس میں کچھ بھی زائد نہ کروں گا۔ جب وہ آدمی چلا گیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی نے جنت والوں میں سے کسی کو دیکھنا ہے تو اسے دیکھ لے۔

☆ حضرت ابو ایوب انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ صحابہؓ کہنے لگے کہ اسے کیا ہو گیا ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اسے بڑی غرض ہے۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے اس آدمی سے فرمایا کہ

"تو اللہ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنا اور تو نماز ادا کر اور تو زکوٰۃ دے اور تو صلہ رحمی کر۔"

☆ حضرت جریرؓ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے نماز ادا کرنے زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کا خیر خواہ رہنے پر بیعت کی۔

☆ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے

"وہ اونٹ جن پر زکوٰۃ نہ دی گئی ہو (قیامت کے روز) خوب موٹے تازے بن کر آئیں گے اور اپنے مالک کو پاؤں سے روندیں گے اور وہ بکریاں جن پر زکوٰۃ نہ دی گئی ہو خوب موٹی تازی ہو کر آئیں گی اور اپنے مالک کو کھروں سے روندیں گی اور سینگوں سے ماریں گی۔"

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

"جب تو نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو تو نے اپنا فرض ادا کر دیا۔"

☆ دو عورتیں حضور اکرم ﷺ کے پاس آئیں۔ دونوں کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے۔ آپؐ نے ان سے پوچھا کہ کیا ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپؐ نے کہا کہ کیا تم یہ پسند کرتی ہو کہ اللہ تمہیں آگ کے کنگن پہنائے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا پھر ان کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔

☆ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

"جس کو اللہ مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے روز اس کا مال اس کے لیے ایک گنجا سانپ بن جائے گا جس پر دو داغ ہوں گے۔ وہ قیامت کے روز اس کا طوق بن جائے گا۔ پھر اس کی دونوں باچھیں پکڑ کر کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔"

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے ہی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ

"تمہارا خزانہ (جس کی زکوٰۃ نہ دی گئی ہو) قیامت کے روز ایک گنجا سانپ بن جائے گا۔ خزانے کا مالک اس سے بھاگے گا اور وہ اس کا پیچھا کرے گا حتیٰ کہ وہ مالک اپنی انگلیاں اس کے منہ میں دے بیٹھے گا۔"

زکوٰۃ کے فوائد و ثمرات:

انسان کی انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی میں ارکان اسلام کے کردار کے ضمن میں ہم زکوٰۃ اور دیگر عبادات اسلامیہ پر بالتفصیل

بحث کر چکے ہیں۔ ذیل میں ہم مختصر انداز میں زکوۃ کے فوائد وثمرات کا ذکر کر رہے ہیں:

☆ زکوۃ مال میں سے فقراء کا حصہ نکال کر مال کو پاک کر دیتی ہے۔
☆ زکوۃ ادا کرنے والا یہ خیال کرے گا کہ اگر میں نے محنت نہ کی تو میری دولت زکوۃ کی وجہ سے آہستہ آہستہ ختم ہو جائے گی چنانچہ اس میں محنت کی طرف رغبت پیدا ہوگی۔
☆ زکوۃ دینے والا زکوۃ کو ایک فریضہ اور ذمہ داری خیال کرتا ہے اور اس میں اس ذمہ داری کو نبھانے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔
☆ زکوۃ پر یقین رکھنے والا یہ بھی یقین رکھتا ہے کہ میرے پاس جو مال و دولت موجود ہے' یہ سب اللہ رب العزت کی عطا ہے۔ اس میں میرا ذاتی کمال نہیں ہے۔ اس طرح اس میں تواضع و انکساری پیدا ہوتی ہے۔
☆ زکوۃ امداد باہمی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔
☆ زکوۃ ادا کرنے والا اپنے اندر غریبوں اور کمزوروں کے لیے درد اور احساس ہمدردی رکھتا ہے۔
☆ زکوۃ دینے والے اور لینے والے کے درمیان محبت اور اخوت کا رشتہ قائم ہوتا ہے۔
☆ زکوۃ سے غیر فطری معاشی تفاوت کا خاتمہ ہوتا ہے۔
☆ زکوۃ دولت کی منصفانہ تقسیم میں معاون ہے۔
☆ زکوۃ سے چونکہ اخوت و محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اس لیے معاشرہ میں اخلاقی اقدار کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔
☆ زکوۃ امیر اور غریب کے درمیان معاشرتی روابط میں ترقی پیدا کرتی ہے۔
☆ زکوۃ دولت کی منصفانہ تقسیم کے ذریعے اقتصادی بدحالی کے خاتمہ میں معاون ہے۔
☆ زکوۃ سے چونکہ غریب اور کمزور حیثیت والوں کو معاشی استحکام ملتا ہے' چنانچہ وہ اس طرح سے حاصل کردہ سرمایہ سے اپنا ذاتی کام اور کاروبار شروع کر سکتے ہیں۔ اس طرح سے زکوۃ کے ذریعے بے روزگاری کے خاتمہ میں مدد ملتی ہے۔
☆ زکوۃ مال میں برکت کا باعث بنتی ہے۔
☆ زکوۃ امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر بننے سے روکتی ہے۔
☆ زکوۃ کی ادائیگی عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے۔
☆ زکوۃ کی ادائیگی سے رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

زکوۃ کے انفرادی واجتماعی زندگی پر اثرات

انفرادی زندگی پر اثرات:

1. مال کی پاکیزگی:

زکوۃ سے فقراء و مساکین کا حق آدمی کے مال سے الگ ہو جاتا ہے اور باقی مال آدمی کے لئے حلال و پاک ہو جاتا ہے۔ اگر زکوۃ ادا نہ کی جائے تو گویا کہ غریبوں کا حق جو کہ مال میں تھا' وہ ہڑپ کر لیا گیا۔

2. امداد باہمی کا جذبہ:

زکوۃ ادا کرنے والے کو چونکہ خیال ہوتا ہے کہ اس نے مستحق افراد کو زکوۃ دینی ہے' اس لئے وہ حق دار لوگوں کا خیال کرتا ہے اور اس میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی میں نے امداد و اعانت کرنی ہے۔ گویا اس میں امداد باہمی کا جذبہ و احساس پیدا ہوتا

ہے۔علاوہ ازیں غریبوں کے لئے احساس ہمدردی بھی اس میں پیدا ہوتا ہے۔

3. نعمتِ الٰہیہ پر شکر کا جذبہ:

زکوٰۃ ادا کرنے والے کے ذہن میں اول تو یہ کہ پختہ یقین ہوتا ہے کہ میرے پاس جو بھی مال و دولت ہے' یہ اللہ ہی کی عطا کردہ نعمت ہے اور دوسرے یہ کہ اس نعمت الٰہیہ پر شکر کا جذبہ بھی اس میں پیدا ہوتا ہے۔

4. محنت کی طرف رغبت:

زکوٰۃ ادا کرنے والے کو یہ خیال ہوگا کہ اگر میں نے محنت نہ کی تو میرا مال آہستہ آہستہ زکوٰۃ کی وجہ سے ختم ہوتا رہے گا' اس لئے وہ محنت کی طرف رغبت کرے گا تاکہ اس کے مال میں اضافہ ہو۔ خیال رہے کہ مال میں کمی کا جو ہم ذکر کر رہے ہیں' یہ صرف ظاہری مفہوم کے اعتبار سے ہے ورنہ درحقیقت تو زکوٰۃ سے مال میں کچھ کمی نہیں ہوتی بلکہ عند اللہ اضافہ ہی ہوتا ہے۔

5. فلاحِ اُخروی کی امید:

زکوٰۃ ادا کرنے والے کو اُخروی فلاح کی بھی امید ہوتی ہے اور اس وجہ سے اسے تسلی اور اطمینان رہتا ہے۔

6. رضائے الٰہی کا حصول:

زکوٰۃ ادا کرنے والے کی نیکی اور انسانی ہمدردی کی بناء پر اللہ کریم اس سے راضی اور خوش ہوتے ہیں۔

اجتماعی زندگی پر اثرات:

1. اقتصادی بدحالی کا خاتمہ:

زکوٰۃ کے ذریعے چونکہ غریبوں کی معاونت ہوتی ہے اور وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوتے ہیں' اس طرح معاشرہ سے اقتصادی بدحالی کا خاتمہ ہوتا ہے۔

2. غیر فطری معاشی تفاوت کا خاتمہ:

زکوٰۃ کی وجہ سے چونکہ غریبوں کی حالت بہتر ہوتی ہے' چنانچہ امیر و غریب کا غیر فطری معاشی تفاوت ختم ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ نہ تو ایک طرف ''دولت کا ورم'' پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی دوسری طرف ''معاشی لاغری'' جنم لیتی ہے۔ یہ دونوں مولانا مناظر احسن گیلانی کی وضع کردہ اصطلاحیں ہیں۔

3. دولت کی منصفانہ تقسیم:

زکوٰۃ کے نظام سے دولت چند ہاتھوں میں قید ہو کر نہیں رہ جاتی بلکہ اس سے دولت منصفانہ انداز میں تقسیم ہوتی ہے اور دولت کی تقسیم اور اسکے جمود کا خاتمہ معاشی ماہرین کے خیال میں ہمیشہ معاشرے کے لئے مفید ہی ہوا کرتا ہے۔

4. بے روزگاری کا خاتمہ:

جب غریبوں کو کسی حد تک معاشی استحکام ملے گا تو وہ اپنے چھوٹے موٹے کاروبار شروع کر سکیں گے۔ اس طرح معاشرہ سے بے روزگاری کا خاتمہ ہوگا۔

5. معاشرتی روابط میں ترقی:

جب امیر و غریب زکوٰۃ کے لین دین کے سلسلہ میں آپس میں میل جول قائم کریں گے تو معاشرتی روابط میں ترقی پیدا ہوگی۔

6. فلاح انسانیت:

غریبوں کے معاشی استحکام اور بے روزگاری کے خاتمہ سے بہت سی معاشرتی برائیوں کا خاتمہ ہوگا اور یہ چیز فلاح انسانیت کا باعث ثابت ہوگی۔

ضروری نوٹ:

"زکوٰۃ کے انفرادی و اجتماعی زندگی پر اثرات" کے مطالعہ کے لئے مزید دیکھئے "ارکان اسلام کا انفرادی و اجتماعی زندگی میں کردار" اور "زکوٰۃ کے فوائد و ثمرات۔"

حج

معنی و مفہوم:

حج عربی زبان کا لفظ ہے جس کا لغوی معنی ہے قصد کرنا' مقامات مقدسہ کی زیارت کرنا اور باز رہنا وغیرہ۔ چونکہ حج میں بھی حاجی بیت اللہ کا قصد کرتا ہے' مقامات مقدسہ کی زیارت کرتا ہے اور کئی امور سے باز رہتا ہے' اس لیے اسے حج قرار دیا گیا ہے۔ شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں حج ایک اہم عبادت ہے۔ اس کے ایام کے ساتھ ساتھ اس کا مقام بھی متعین ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور جگہ پر یا ان ایام کے علاوہ دیگر ایام میں یہ عبادت نہیں کی جا سکتی۔ یہ ہر مسلمان پر فرض نہیں ہے بلکہ صرف صاحب استطاعت افراد پر زندگی میں ایک بار فرض ہے۔ حج میں ادا کیے جانے والے امور اور افعال کو مناسک کہا جاتا ہے۔

حج کی فرضیت و اہمیت قرآن و حدیث کی روشنی میں:

حج کی فرضیت اور اس کی اہمیت کے متعلق چند آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا ذیل میں ذکر کیا جا رہا ہے:

آیات قرآنیہ:

☆ وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَ
لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ
اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ٙ فَمَنْ تَمَتَّعَ
بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ
فِى الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ
حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝
اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ ۙ وَ لَا جِدَالَ
فِى الْحَجِّ ؕ

ترجمہ: اور اللہ کے لیے حج اور عمرے کو پورا کرو اور اگر کہیں گھر جاؤ تو جو قربانی میسر آئے کرو اور اپنے سر نہ مونڈو

جب تک کہ قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے۔ پس تم میں سے جو شخص مریض ہو یا جس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (اور اس وجہ سے وہ سر منڈ والے) تو اسے چاہئے کہ فدیے کے طور پر روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔ پھر جب تمہیں امن نصیب ہو جائے تو جو شخص حج کے ساتھ ملا کر عمرہ کا فائدہ اٹھائے تو جو ھدی میسر آئے اور اگر ھدی میسر نہ ہو تو تین روزے حج کے زمانے میں اور سات حج سے لوٹ کر رکھے۔ یہ پورے دس روزے ہیں۔ یہ ان لوگوں کے لیے ہے جن کے گھر بار مسجد حرام کے قریب نہ ہوں۔ اور اللہ سے ڈرو اور خوب جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ حج کے مہینے معلوم ہیں۔ جو شخص ان مقررہ مہینوں میں حج کا ارادہ کرے تو وہ حج کے دوران کوئی شہوانی فعل یا کوئی بدعملی یا کوئی لڑائی جھگڑا نہ کرے۔ (سورۃ البقرہ آیات نمبر 196' 197)

☆ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ط

ترجمہ: پھر جب اپنے حج کے ارکان ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو جس طرح اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 200)

☆ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ط

ترجمہ: بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ لہٰذا جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس کے لیے کوئی گناہ کی بات نہیں کہ وہ ان دونوں (پہاڑیوں) کے درمیان سعی کرے۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 158)

☆ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ط قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ط

ترجمہ: لوگ آپ سے مہینوں کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہو! "یہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے اوقات مقرر کیے گئے ہیں۔" (سورۃ البقرہ آیت نمبر 189)

☆ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط

ترجمہ: اور لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔ (سورۃ آل عمران آیت نمبر 97)

☆ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝

ترجمہ: اور لوگوں کو حج کے لیے اذن عام دے دو وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں گے۔ (سورۃ الحج آیت نمبر 27)

☆ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝

ترجمہ: پھر اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔ (سورۃ الحج آیت نمبر 29)

احادیث نبویہ:

☆ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسولؐ

پر ایمان لانا۔ پوچھا گیا اس کے بعد کون سا؟ فرمایا اللہ کے رستے میں جہاد۔ پوچھا گیا کہ اس کے بعد کون سا؟ فرمایا! مقبول حج۔

☆ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! ہم جہاد کو افضل عمل سمجھتی ہیں تو کیا ہم جہاد کریں؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں (تمہارے لیے) افضل جہاد حج مقبول ہے۔

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس میں کوئی شہوت رانی نہ کی اور کوئی گناہ کی بات نہ کی تو وہ ایسا پاک ہو کر لوٹے گا جیسا پاک اس دن تھا کہ جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔"

☆ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ

"حج اور عمرہ پے در پے کرو۔ بس یہ دونوں تنگدستی اور گناہوں کو ایسے دور کرتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور سونے اور چاندی کا میل دور کرتی ہے اور حج مقبول کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں ہے۔"

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

"جس نے حج کیا اور اس میں کوئی شہوت رانی نہ کی اور کوئی گناہ کی بات نہ کی تو اس کے سارے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔"

☆ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

"جو زادِ راہ اور سواری کی استطاعت رکھتا ہو جو اسے بیت اللہ تک پہنچا سکے اور اس کے باوجود وہ حج نہ کرے تو اب چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے کہ لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔"

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک آدمی حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! حج کس چیز کے ہونے سے واجب ہو جاتا ہے؟ آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ زادِ راہ اور سواری کے ہونے سے۔

☆ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ "لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے" تو لوگوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسولؐ! کیا ہر سال فرض ہے؟ آپؐ خاموش رہے۔ لوگوں نے پھر سوال کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! کیا ہر سال فرض ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا۔

☆ حضرت جابرؓ بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے خود تین دفعہ حج ادا فرمایا تھا: دو دفعہ ہجرت سے پہلے اور ایک دفعہ ہجرت کے بعد اور اس دفعہ ساتھ عمرہ بھی ادا فرمایا تھا۔

☆ حضرت جابرؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنا بچہ حضور اکرم ﷺ کی طرف بڑھاتے ہوئے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! کیا اس کے لیے بھی حج ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں اور تیرے لیے بھی اجر ہوگا۔

حج کے انفرادی و اجتماعی زندگی پر اثرات

انفرادی زندگی پر اثرات:

1. احساسِ بندگی:

حج کا عظیم الشان اجتماع ایک آدمی کے دل و دماغ میں ایسا اثر پیدا کرتا ہے کہ آدمی کے دل میں خود بخود احساسِ بندگی اجاگر ہو جاتا ہے۔ وہ شانِ الٰہی کے آگے خود بخود جھک جاتا ہے اور اسے احساس پیدا ہوتا ہے کہ میں ایک عاجز بندہ ہوں اور شان و عظمت کے لائق صرف ایک ہی ہستی ہے۔ اس طرح اس میں تواضع و انکساری بھی پیدا ہوتی ہے۔

2. خشیت الٰہی:

حج کے عظیم اجتماع سے جہاں دل میں تواضع وانکساری پیدا ہوتی ہے اور احساس بندگی ابھرتا ہے وہاں اس کے ساتھ ساتھ خداوند قدوس کا رعب وجلال بھی دل میں جاگزیں ہوتا ہے۔

3. گناہوں سے پاکی:

حج مقبول سے انسان کی زندگی کی گذشتہ کوتاہیاں اور غلطیاں بھی زائل ہو جاتی ہیں اور بندہ گذشتہ گناہوں سے نجات حاصل کر کے مستقبل کے متعلق بھی سوچتا ہے کہ اب مجھے آئندہ زندگی میں بھی گناہوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔

4. فلاح اُخروی کی امید:

حج کرنے سے انسان کے دل میں اُخروی فلاح کی امید پیدا ہوتی ہے اور وہ مایوسی سے نکل کر مزید نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے۔

5. رضائے الٰہی کا حصول:

بندہ جب اپنی عاجزی اور درماندگی کا اقرار کرتے ہوئے لبیک اللھم لبیک کہتے ہوئے خداوند قدوس کے عظیم گھر میں حاضر ہوتا ہے تو اللہ اس سے راضی ہو جاتے ہیں۔

اجتماعی زندگی پر اثرات:

1. بین الاقوامی روابط کا فروغ:

حج کے عظیم اجتماع میں چونکہ مختلف ممالک سے آئے ہوئے لوگ جمع ہوتے ہیں اس لئے مسلمانوں کے آپس میں بین الاقوامی روابط میں ترقی اور فروغ پیدا ہوتا ہے۔

2. اسلامی عظمت وشوکت کا اظہار:

مسلمانوں کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس وقت دنیا میں سب سے بڑا اجتماع انہی کا ہے یعنی حج کا اجتماع۔ یہ اسلامی عظمت وشوکت کے بھرپور اظہار کا ذریعہ ہے۔ اس سے اسلام کی عزت اور اسکے وقار میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

3. اتحادِ فکر:

حج کے عظیم اجتماع میں چونکہ مختلف ممالک سے اہل اسلام ایک ہی مرکز میں جمع ہوتے ہیں اور ایک ہی طرح کا لباس زیب تن کئے ہوئے ایک ہی دربار میں حاضری دیتے ہیں اس لئے ان کا آپس میں ایک فکری اتحاد اور یگانگت پیدا ہوتی ہے اور مرکز سے وابستگی کا جذبہ بھی بیدار ہوتا ہے۔

4. جماعت بندی کا شعور:

حج جیسے بڑے اجتماع میں اگر ذرا سی بھی نظم وضبط میں خرابی پیدا ہو جائے تو ظاہر ہے کہ یہ بہت نقصان دہ ثابت ہوگی لیکن اہل اسلام اس عظیم اجتماع میں نہایت نظم وضبط کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس سے جماعت بندی کا شعور پیدا ہوتا ہے اور حاضرین اجتماع کو معلوم ہوتا ہے کہ ایک بڑی جماعت یا ایک بڑے اجتماع میں شرکت کے لئے کون کون سے اخلاقی ضوابط کو مدنظر رکھنا ہوتا ہے۔

5. اطاعتِ امیر:

حج میں چونکہ ایک جمِ غفیر ایک ہی امام و امیر کے پیچھے اُنکی ہدایت کے مطابق مناسک ادا کرتا ہے' اس طرح ان میں اطاعتِ امیر کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔

ضروری نوٹ:

"حج کے انفرادی و اجتماعی زندگی پر اثرات" کے مطالعہ کے لئے مزید دیکھئے "ارکانِ اسلام کا انفرادی و اجتماعی زندگی میں کردار" اور "حج کے فوائد و ثمرات۔"

جہاد

معنی و مفہوم:

جہاد باب مفاعلہ سے مصدر ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے باہم ایک دوسرے کے خلاف کوشش کرنا۔ اس کا مادہ "ج۔ہ۔د" ہے۔ ثلاثی مجرد میں جَهَدَ باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' جس کا معنی ہے بہت کوشش کرنا۔ جُهْد اور جَهْد طاقت اور استطاعت کو کہتے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں جہاد اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اپنی پوری طاقت و استطاعت کے ساتھ کوشش کرنے کا نام ہے۔ اگر یہ کوشش تقریر' مناظرہ یا بحث کی صورت میں ہو یا کسی جابر کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی صورت میں ہو تو اسے جہاد بالقول کہا جائے گا' اگر یہ کوشش تحریر کے ذریعے ہو تو یہ جہاد بالقلم ہے' اگر یہ کوشش مال خرچ کرنے کی صورت میں ہے تو یہ جہاد بالمال ہے اور اگر یہ کوشش میدان جنگ میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہو تو اسے جہاد بالسیف کہا جاتا ہے۔ مطلق جہاد کا لفظ جب استعمال ہو تو اس سے مراد عموماً جہاد بالسیف ہوتا ہے اور اس کے لئے دوسری اصطلاح "قتال" یا "قتال فی سبیل اللہ" کی بھی استعمال کی جاتی ہے۔ جہاد دشمنانِ دین کے خلاف بھی ہوتا ہے اور اپنے نفس اور نفسانی خواہشات کے خلاف بھی ہوتا ہے' جب یہ خواہشات حدود الٰہی سے تجاوز کرنے لگ جائیں' اسے جہاد بالنفس کہا جاتا ہے۔ جہاد اگرچہ ارکان اسلام میں سے نہیں ہے لیکن ایک انتہائی اہم عبادت ہے' اسی لیے عبادات اسلامیہ کے ذیل میں اس کا ذکر ضروری ہے۔

جہاد کی اہمیت قرآن و حدیث کی روشنی میں:

جہاد کی اہمیت اور مجاہدین خصوصاً شہداء کے مقام اور مرتبہ کے متعلق بہت سی آیات و احادیث موجود ہیں۔ بعض میں "جہاد" کی اصطلاح کے ساتھ جہاد کی ترغیب ہے اور بعض میں یہ ترغیب "قتال" کی اصطلاح کے ساتھ ہے۔ ذیل میں ہم ان میں سے چند آیات و احادیث کا ذکر کر رہے ہیں:

آیاتِ قرآنیہ:

☆ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ○

ترجمہ: اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تمہیں کامیابی نصیب ہو جائے۔ (سورۃ المائدہ آیت نمبر 35)

☆ انْفِرُوا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّ جَاهِدُوا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ؕ

ترجمہ: نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ (سورۃ التوبہ آیت نمبر 41)

ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ (سورۃ الحج آیت نمبر 78)

☆ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

ترجمہ: حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہی سچے لوگ ہیں۔ (سورۃ الحجرات آیت نمبر 15)

☆ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝

ترجمہ: بے شک اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ (سورۃ الصف آیت نمبر 4)

☆ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۝

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مقابلہ کے لیے ہر وقت تیار رہو پھر الگ الگ ہو کر نکلو یا اکٹھے نکلو۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 71)

☆ وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

ترجمہ: اور تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کے رستے میں نہیں لڑتے۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 75)

☆ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ

ترجمہ: جو لوگ ایمان والے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو لوگ کافر ہیں وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں پس شیطان کے ساتھیوں سے لڑو۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 76)

☆ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ

ترجمہ: اور تم لوگ ان (سے مقابلہ) کے لیے جس قدر ہو سکے طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے مہیا کر رکھو۔ (سورۃ الانفال آیت نمبر 60)

☆ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ

ترجمہ: اے نبی (ﷺ)! مومنوں کو جنگ پر ابھارو۔ (سورۃ الانفال آیت نمبر 65)

☆ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝

ترجمہ: وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے گھر بار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کیا وہ اللہ کے ہاں درجہ میں بلند ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔ (سورۃ التوبہ آیت نمبر 20)

☆ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ

ترجمہ: اے نبی (ﷺ)! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔ (سورۃ التحریم آیت نمبر 9)

☆ لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

ترجمہ: مومنوں میں سے وہ لوگ جو کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کرتے ہیں وہ برابر نہیں ہیں۔ اللہ نے بیٹھنے والوں کی نسبت اپنے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ بڑا رکھا ہے۔ اگرچہ ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے۔ مگر اللہ نے مجاہدین کو قاعدین کی نسبت بڑا اجر دیا ہے۔ اس کی طرف سے ان کے لیے درجات ہیں اور مغفرت اور رحمت ہے اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 95، 96)

☆ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تمہیں (ان کی زندگی کا) شعور نہیں ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 154)

احادیث نبویہ:

☆ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا اپنے اوقات میں نماز کی ادائیگی۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا؟ فرمایا والدین سے نیکی۔ میں نے عرض کیا پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے رستے میں جہاد۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں خاموش ہو گیا۔ اگر میں مزید پوچھتا تو آپؐ مزید بتادیتے۔

☆ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ۔

"مکہ فتح ہونے کے بعد مکہ سے ہجرت ختم ہوگئی ہے البتہ جہاد اور اچھی نیت باقی ہیں اور جب تمہیں (جہاد کے لیے) نکلنے کا کہا جائے تو نکل کھڑے ہو۔"

☆ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک آدمی حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جو جہاد کے برابر ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں ایسا کوئی عمل نہیں پاتا۔ پھر مزید فرمایا کہ کیا تو اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ جب مجاہد (جہاد کے لیے) نکلے تو تو اپنی مسجد میں داخل ہو جائے اور مسلسل قیام کرے ذرا بھی دم نہ لے اور تو روزہ رکھے جائے اور کبھی افطار نہ کرے؟ وہ آدمی کہنے لگا کہ بھلا ایسا کون کر سکتا ہے۔

☆ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! لوگوں میں سے کون افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ایسا مومن جو اللہ کے لیے اپنے جان و مال سے جہاد کرے۔

☆ ایک موقع پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا

"جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ نے اپنے رستے میں جہاد کرنے والوں کے لیے بنایا۔ ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر فاصلہ ہے کہ جس قدر آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے اور جب تم اللہ سے (جنت کا) سوال کرو تو فردوس کا سوال کیا کرو۔"

☆ حضور اکرم ﷺ نے اپنا خواب بیان فرماتے ہوئے کہا کہ

"میں نے آج رات خواب میں دیکھا کہ دو آدمی آئے۔ پس انہوں نے مجھے ایک درخت پر چڑھا کر ایک گھر میں داخل کر دیا جو کہ بہت عمدہ اور افضل تھا۔ میں نے اس سے خوبصورت گھر کبھی نہیں دیکھا۔ پھر ان دونوں نے کہا کہ یہ گھر شہداء کے لیے ہے۔

☆ فرمان نبوی ہے کہ

"اللہ کی راہ میں صبح کو یا شام کو چلنا دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔"

☆ ایک موقع پر فرمایا کہ

"اللہ کی راہ میں صبح کو یا شام کو چلنا ان سب چیزوں سے بہتر ہے کہ جن پر سورج نکلتا ہے اور ڈوبتا ہے۔"

جہاد کے فوائد و ثمرات:

انسان کی انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی میں ارکان اسلام کے کردار کے ضمن میں ہم عبادات اسلامیہ کے متعلق بالتفصیل بحث کر چکے ہیں۔ جہاد اگرچہ ارکان اسلام میں سے نہیں ہے لیکن ایک انتہائی اہم عبادت ہے اور ارکان اسلام کی طرح یہ بھی انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور اپنے اندر بے شمار فوائد و ثمرات رکھتا ہے۔ ذیل میں ہم مختصر انداز میں اس کے فوائد و ثمرات کا ذکر کر رہے ہیں:

☆ جہاد اعلائے کلمۃ اللہ کا ذریعہ ہے۔
☆ جہاد سے دنیائے اسلام کو سرفرازی و سربلندی ملتی ہے۔
☆ جہاد کے ذریعے کفر پر ہیبت طاری ہوتی ہے۔
☆ جہاد شرک و بدعت کا خاتمہ کرتا ہے۔
☆ جہاد ظلم و جبر اور فسق و فجور کی راہ روکتا ہے۔
☆ جہاد سے ظلم کے خاتمہ کی وجہ سے معاشرہ میں امن و سکون پیدا ہوتا ہے۔
☆ جہاد امن و سکون پیدا کر کے فلاح انسانیت کی راہ ہموار کرتا ہے۔
☆ جہاد ظالم سے ظلم کا بدلہ لیتا ہے۔
☆ جہاد مظلوم کی دادرسی کا ذریعہ ہے۔
☆ جہاد نظام الٰہی کے نفاذ میں معاون ہے۔
☆ جہاد سے مجاہدین میں بہادری و سرفروشی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔
☆ جہاد کے ذریعے حق دار اپنا حق حاصل کر سکتا ہے۔
☆ جہاد میں اپنے سالار کی ہدایات پر عمل نہایت ضروری ہوتا ہے اور اس سے اطاعت امیر کا درس حاصل ہوتا ہے۔
☆ جہاد مال غنیمت کے ذریعے مسلمانوں کی اقتصادی حالت میں بہتری پیدا کرتا ہے۔
☆ جہاد کے ذریعے اسلامی قوت اور طاقت میں اضافہ ہوتا ہے۔
☆ جہاد رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔

جہاد کے انفرادی واجتماعی زندگی پر اثرات

انفرادی زندگی پر اثرات:

1. بہادری وسرفروشی کا جذبہ:

جہاد سے مجاہدین میں بہادری وسرفروشی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور بزدلی اور کم ہمتی ختم ہوتی ہے۔

2. استقامت:

جہاد کے دوران چونکہ کئی دفعہ ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ جن میں اگر ثابت قدمی نہ دکھائی جائے تو شکست کا امکان بن جاتا ہے' چنانچہ جہاد سے مجاہد میں ثابت قدمی سے دشمن کا مقابلہ کرنے اور استقامت اختیار کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

3. خودداری وعزت نفس:

ایک مجاہد نہایت خوددار ہوگا اور وہ اپنی عزت نفس کے مجروح ہونے کو بالکل بھی برداشت نہیں کر سکے گا۔

4. احساسِ ذمہ داری:

چونکہ ایک مجاہد کو جہاد کے دوران ہر لمحہ یہ خیال ہوگا کہ اگر مجھ سے ذرا بھی غلطی ہوگئی تو اسکے نتائج خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں' لہٰذا وہ ہر لمحہ نہایت مستعد رہے گا اور جس قسم کی بھی ذمہ داری اسے کمانڈر یا امیر کی طرف سے سونپی جائے گی' وہ اس ذمہ داری کو نبھانے کی پوری کوشش کرے گا۔ اس طرح عام زندگی میں بھی اس میں احساس ذمہ داری پیدا ہوگا۔

5. ضبطِ نفس:

جہاد کے دوران کئی دفعہ ایسی صورتحال کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے کہ مثلاً آپ کے سامنے کوئی ایسا کام ہو رہا ہے جسے آپ برداشت نہیں کر سکتے' لیکن اس وقت آپ میں اس کام کو روکنے کا اختیار نہیں ہے یا اسے روکنا قرین مصلحت نہیں ہے تو آپ کو خود پر کنٹرول پیدا کرنا ہوگا۔ اس قسم کی صورتحال سے مجاہد میں ضبط نفس کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔

6. فلاحِ اُخروی کی امید:

ایک مجاہد کے دل میں فلاح اُخروی کی امید سکون واطمینان پیدا کرتی ہے۔

7. رضائے الٰہی کا حصول:

جب بندہ اپنا سب کچھ حتیٰ کہ اپنی جان تک اللہ کی راہ میں دینے کے لئے تیار ہو کر جہاد کی راہ میں نکلتا ہے تو اسے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

اجتماعی زندگی پر اثرات:

1. اعلائے کلمۃ اللہ:

جہاد کے ذریعے کلمۃ اللہ کا پرچار ہوتا ہے اور یہ سربلند ہوتا ہے۔ پیغام توحید پھیلتا ہے اور شرک کے خلاف آواز بلند ہوتی

ہے۔

2. اسلام کی سربلندی:

جہاد کے ذریعے دنیائے کفر پر اسلام کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اسلام کو سرفرازی و سربلندی حاصل ہوتی ہے۔ کفر مغلوب و مرغوب اور دین حق غالب ہوتا ہے۔

3. فساد کا خاتمہ:

جہاد کے ذریعے ہر قسم کے فساد، شرک و بدعت، ظلم و جور اور فسق و فجور کا خاتمہ ہوتا ہے۔

4. اطاعتِ امیر:

چونکہ مجاہدین اپنے کمانڈر اور امیر کے اشاروں کے مطابق ہر کام کرتے ہیں، اگر ایسا نہ کریں تو نقصان کا خدشہ ہوتا ہے۔ اس سے مجاہدین میں عام زندگی میں بھی اطاعتِ امیر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

5. مظلوم کی دادرسی:

جہاد ظلم کا خاتمہ کرتا ہے اور مظلوم کی فریاد کو رائیگاں نہیں جانے دیتا۔ جہاد ظالم کا مقابلہ کرتا ہے اور مظلوم کی دادرسی کرتا ہے۔ حق غصب کرنے والے سے حق دار کو حق واپس دلاتا ہے۔

6. معاشرتی امن:

جب ہر قسم کے فساد و بگاڑ، شرک و بدعت، ظلم و جور اور فسق و فجور کا خاتمہ ہوگا تو معاشرہ میں امن پیدا ہوگا۔

7. نظام الٰہی کا نفاذ:

جہاد نظام الٰہی کے نفاذ میں معاون ہے البتہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اسلام تلوار کے ذریعے پھیلا ہے۔ بلکہ اگر تاریخ کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو اسلام تلوار سے نہیں بلکہ اخلاق سے پھیلا ہے۔ ہاں اس قدر ضرور ہے کہ جہاد نظام الٰہی کے نفاذ میں معاون ضرور ہے۔

ضروری نوٹ:

''جہاد کے انفرادی و اجتماعی زندگی پر اثرات'' کے مطالعہ کے لئے مزید دیکھئے ''ارکانِ اسلام کا انفرادی و اجتماعی زندگی میں کردار'' اور ''جہاد کے فوائد و ثمرات۔'' جہاد اگرچہ ارکانِ اسلام میں سے نہیں ہے لیکن یہ ان کے اس قدر قریب ہے کہ ''ارکانِ اسلام کا انفرادی و اجتماعی زندگی میں کردار'' اور ''جہاد کا انفرادی و اجتماعی زندگی میں کردار'' تقریباً ایک ہی سمجھا جاسکتا ہے۔

-----☆-----

ماخذ شریعت

قرآن حکیم، حدیث و سنت، اجماع امت اور قیاس و اجتہاد شریعت اسلامیہ کے چار بنیادی ماخذ ہیں۔ ذیل میں ہمیں ان چاروں پر ماخذ شریعت ہونے کے لحاظ سے بحث کرنا ہے لیکن اس سے قبل ضروری ہے کہ ہم اس سوال پر بھی ایک نظر کر لیں کہ شریعت کسے کہتے ہیں؟

شریعت کیا ہے؟

شریعت کا لغوی معنی ہے کھلا' روشن' سیدھا اور صاف راستہ' اصطلاحی معنوں میں ہم شریعت کی تعریف اس طرح کر سکتے ہیں کہ

"عقائد و اعمال کی تقویم' اخلاق کی تہذیب' خاندانی امور کی بہتری اور ملکی سیاست کے معاملات کے متعلق الٰہی قوانین جو نبی سے ثابت ہوں۔"

یہ بات بھی اہم ہے کہ شریعت اور دین کو ہم معنی نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ دین اللہ کی طرف سے از آدم تا این دم ایک ہی رہا ہے۔

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ (سورۃ آل عمران آیت نمبر 19)

دین حضرت آدم علیہ السلام نے جو بتایا' وہ بھی اسلام ہی تھا اور نبی آخر الزمان ﷺ نے جو بتایا' وہ بھی اسلام ہی تھا۔ دین ہمیشہ یہی رہا' یہ کبھی منسوخ نہیں ہوا' البتہ شرائع مختلف ہوتی رہیں۔ ان کی تنسیخ بھی ہوئی۔ ہر دور میں اُس دور کے تقاضوں کے مطابق الگ الگ شریعت رہی ہے۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا

ترجمہ: ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی۔ (سورۃ المائدہ آیت نمبر 48)

ہر نئی شریعت کے ساتھ پچھلی شریعت منسوخ ہوتی رہی اور آخر کار خاتم النبیین ﷺ کی تشریف آوری اور آپ کی شریعت کے نفاذ سے پچھلی سب شریعتیں منسوخ ہو گئیں کیونکہ ابتدائے آفرینش سے رحمت دو عالم ﷺ کے دور تک آہستہ آہستہ تہذیبی لحاظ سے دنیا اس قدر ترقی کر چکی تھی کہ اب یہ ممکن ہو گیا تھا کہ پوری انسانیت کے لیے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کسی ایک ہی جامع شریعت کو نافذ کیا جا سکے۔ چنانچہ سابقہ شرائع کو منسوخ کر کے اب صرف اور صرف شریعت محمدیؐ کے نفاذ کا اعلان کر دیا گیا۔ شرائع میں تنسیخ ہی کی وجہ سے شریعت موسوی وغیرہ کی اصطلاحیں استعمال ہوئیں۔ اگر ہمیشہ سے ایک ہی شریعت ہوتی' جس طرح دین ایک ہی ہے' تو یہ شریعت موسوی اور شریعت محمدیؐ وغیرہ کی الگ الگ اصطلاحیں وجود نہ رکھتیں۔

مذکورہ بالا بحث میں ہم یہ واضح کر چکے کہ شریعت اور دین دو الگ الگ مفہوم کی حامل اصطلاحیں ہیں' اسی طرح شریعت اور فقہ کو ایک ہی مفہوم کی حامل اصطلاحیں نہیں سمجھنا چاہیے۔ شریعت فقہ سے وسیع تر ہے۔ البتہ عرف عام میں ان دونوں کو تقریباً ہم معنی بنا دیا گیا ہے' اسی لیے جب ہم شریعت اسلامیہ کے ماخذ یا ماخذ شریعت کے الفاظ استعمال کرتے ہیں تو اس وقت ہماری مراد دراصل فقہ اسلامی کے ماخذ یا ماخذ فقہ ہوتی ہے۔

فقہ اسلامی یا دوسرے لفظوں میں شریعت اسلامیہ کے چار بنیادی ماخذ ہیں:

1.	قرآن حکیم	2.	حدیث و سنت
3.	اجماع امت	4.	قیاس و اجتہاد

ذیل میں ہم ماخذ شریعت ہونے کی حیثیت سے ان چاروں پر بحث کر رہے ہیں تا کہ ماخذ شریعت ہونے کے لحاظ سے ان کا الگ

قرآن حکیم ماخذ شریعت

جب ہم قرآن حکیم کے ماخذ شریعت ہونے کی بات کریں تو اس سے قبل یہ بات ہمارے ذہن میں ہونی چاہیے کہ ماخذ شریعت کی تحقیق تک وہ بندہ پہنچتا ہے جو دین میں شامل ہو چکا ہو۔ خیال رہے کہ ماخذ شریعت سے ہماری اصل مراد ماخذ فقہ ہے جیسا کہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے تو جو بندہ دین میں شامل ہو جائے یا دوسرے لفظوں میں ایمان قبول کر لے اُسے یہ حاجت ہے کہ وہ فقہ اور اس کے ماخذ کی طرف نظر کرے۔ چنانچہ جب وہ دین میں شامل ہو گیا یعنی اس نے ایمان قبول کر لیا تو ایمانیات کے ضمن میں اب اس کا یہ بھی اعتقاد ہوگا کہ قرآن حکیم اللہ کریم کی سچی اور آخری کتاب ہے اور یہ کہ اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ خود قرآن حکیم اپنے آپ کو منزل من اللہ کہتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیٓ اَنۡزَلَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ وَ الۡمِیۡزَانَ ؕ

ترجمہ: وہ اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ یہ کتاب اور میزان نازل کی ہے۔ (سورۃ الشوریٰ آیت نمبر 17)

تَنۡزِیۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَكِیۡمِ ۝ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰهَ مُخۡلِصًا لَّهُ الدِّیۡنَ ۝

ترجمہ: اس کتاب کا نزول اللہ زبردست اور حکمت والے کی طرف سے ہے۔ (اے محمد ﷺ!) یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے۔ پس آپ اللہ ہی کی بندگی کریں دین کو اسی کے لیے خاص کرتے ہوئے۔ (سورۃ الزمر آیات نمبر 1'2)

جب یہ بات تسلیم ہو گئی کہ یہ منزل من اللہ ہے تو اس کے مقصد نزول پر بھی غور کرنا ہوگا اور وہ یقیناً یہی ہے کہ اس کے ذریعے شریعت کی تعلیم دی جائے۔ اس ساری بحث کے بعد بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ قرآن حکیم کے ماخذ شریعت ہونے میں کسی قسم کا شک کیا ہی نہیں جا سکتا کیونکہ جو خود شریعت نازل کرنے والا ہے اس نے خود ہی شریعت کا یہ دستور بھی ہدایت کے لیے نازل کیا ہے اور ظاہر ہے کہ شریعت کی حدود کا تعین کرنے والا خود شریعت نازل کرنے والے سے بڑھ کر کوئی نہیں ہو سکتا۔

ماخذ شریعت کے متعلق پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ جسے ہم ماخذ مان رہے ہیں وہ کیا حیثیت رکھتا ہے اور کس کا کلام ہے؟ اس سوال کا جواب ہم نے دیا کہ وہ منزل من اللہ ہے اور خود شریعت بتانے والے اللہ رب العزت کا کلام ہے اس لیے اس لحاظ سے اس کے ماخذ شریعت ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں کیا جا سکتا۔ اب دوسرا سوال یہ ہے کہ جسے ہم شریعت کا ماخذ تسلیم کر رہے ہیں کیا وہ واقعی اپنی اصلی حالت میں موجود ہے؟ تو ہم یہ کہیں گے کہ چودہ صدیوں کی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ اس میں کسی قسم کی کوئی کمی بیشی یا کوئی تغیر و تبدل آج تک نہیں ہو سکا اور نہ ہی اسے یا اس کے کسی حصہ کو بھلایا یا مٹایا جا سکا ہے اور نہ ہی اب اس میں تا قیامت کوئی ایسا امکان ہے کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود رب ذوالجلال نے لیا ہے۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝

ترجمہ: بے شک اس ذکر کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ (سورۃ الحجر آیت نمبر 9)

تیسرا سوال یہ ہے کہ اس کی تعلیمات کیسی ہیں؟ کیا وہ ہر دور اور ہر علاقہ کے لیے قابل عمل ہیں؟ تو ہم یہ کہیں گے کہ اس پر بھی چودہ صدیوں کی تاریخ شاہد ہے کہ یہ ہر دور اور ہر علاقہ کے لیے بڑی خوبصورتی کے ساتھ قابل عمل رہی ہیں۔ چودہ صدیوں کے طویل دور میں کوئی وقت یا کوئی علاقہ ایسا ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ جس کے متعلق کہا جا سکے کہ فلاں وقت فلاں علاقے میں قرآنی تعلیمات قابل عمل نہ رہی تھیں۔ کیونکہ اللہ کریم نے اس کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ط

ترجمہ: اور اس کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور حق ہی کے ساتھ یہ نازل ہوا ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 105)

چوتھا اور آخری سوال یہ ہے کہ اس کو ماخذ شریعت قرار دینے والا کون ہے؟ اس کا کیا مقام اور کیا حیثیت ہے؟ کیا اس کی بات کو تسلیم کرتے ہوئے اسے ماخذ مان لینا چاہیے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ اوّل تو خود رب العزت نے اسے ماخذ قرار دیا ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

ترجمہ: یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لیے۔ (سورۃ البقرۃ آیت نمبر 2)

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

ترجمہ: پس (اے محمد ﷺ!) خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کیجیے۔ (سورۃ المائدہ آیت نمبر 48)

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

ترجمہ: اور آپ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کریں۔ (سورۃ المائدہ آیت نمبر 49)

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

ترجمہ: ہم ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب لے آئے ہیں جس کو ہم نے علم کی بنا پر مفصل بنایا ہے اور جو ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ (سورۃ الاعراف آیت نمبر 52)

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ

ترجمہ: اور یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے ایک برکت والی کتاب پس تم اس کی پیروی کرو۔ (سورۃ الانعام آیت نمبر 155)

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ

ترجمہ: بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 9)

دوسرے خداوند قدوس کے بعد حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام بھی قرآن حکیم کو شریعت اسلامیہ کا ماخذ اول قرار دیتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کے گورنر کی حیثیت سے بھیجتے ہوئے سوال کیا کہ کس چیز سے فیصلے کرو گے تو حضرت معاذؓ نے سب سے پہلے قرآن حکیم کا نام لیا اور حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذؓ کی اس رائے کو پسند فرمایا۔ خلفائے راشدین کا یہی طرز تھا کہ کسی بھی معاملہ کا فیصلہ کرتے وقت سب سے پہلے قرآن حکیم کی طرف رجوع کرتے۔

حدیث وسنت ماخذ شریعت

حدیث وسنت شریعت اسلامیہ کا دوسرا بڑا ماخذ ہے۔ اس میں حضور اکرم ﷺ کے اقوال، آپ کے افعال اور وہ تمام کام شامل ہیں کہ

جو آپؐ کے سامنے ہوئے ہوں یا آپؐ کے علم میں لائے گئے ہوں اور آپؐ نے ان سے منع نہ فرمایا ہو۔

قرآن حکیم میں بار بار اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ' اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اور اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ کے ارشادات میں جہاں اطاعت الٰہی کے امر سے قرآن حکیم کے ماخذ شریعت ہونے کی طرف اشارہ ملتا ہے وہاں اطاعت رسول کے امر سے حدیث وسنت کے ماخذ شریعت ہونے کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔

قرآن حکیم کی متعدد آیات حدیث وسنت کے ماخذ شریعت ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

ترجمہ: ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ اذن خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔ (سورۃ النسآء آیت نمبر 64)

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ

ترجمہ: جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ۔ (سورۃ الحشر آیت نمبر 7)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ

ترجمہ: کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں (خود فیصلہ کرنے کا) اختیار حاصل رہے۔ (سورۃ الاحزاب آیت نمبر 36)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

ترجمہ: درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول (ﷺ) میں ایک بہترین نمونہ ہے۔ (سورۃ الاحزاب آیت نمبر 21)

خود حضور اکرم ﷺ نے قرآن حکیم کے ساتھ ساتھ اپنی سنت کو ماخذ شریعت قرار دیا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ

"میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔ جب تک تم انہیں تھامے رہو گے' گمراہ نہیں ہو گے: وہ اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے۔"

حضرت مقدام بن معد یکرب نے حضور اکرم ﷺ کے نہایت سخت الفاظ نقل کیے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

"خبردار رہو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ویسی ہی ایک اور چیز۔ خبردار! ایسا نہ ہو کہ ایک پیٹ بھرا شخص اپنی مسند سے ٹیک لگائے یہ کہنے لگے کہ بس تم قرآن کی پیروی کرو' جس چیز کو اس میں حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جس کو اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔ حالانکہ جس چیز کو اللہ کا رسول حرام قرار دے وہ ویسا ہی حرام ہے جیسے اللہ کا حرام کردہ۔ آگاہ رہو! تمہارے لیے پالتو گدھا حلال نہیں ہے اور نہ پھاڑنے والے درندے حلال ہیں۔"

اس حدیث نبویؐ کے ابتدائی الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن حکیم ہی حضور اکرم ﷺ کو نہیں دیا گیا بلکہ ایک اور چیز بھی دی گئی ہے جو کہ ویسی ہی ہے۔ قرآن حکیم وحی جلی ہے اور اس کے ساتھ ویسی ہی دوسری چیز یقیناً وحی خفی ہے۔ یعنی فرامین نبویہ بھی درحقیقت اللہ ہی کی طرف

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 80)

قرآن حکیم میں اللہ کریم نے تفسیر قرآن کی ذمہ داری کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے کہ

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ

ترجمہ: پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ (سورۃ القیامۃ آیت نمبر 19)

اب ظاہر ہے کہ اللہ کریم نے تفسیر قرآن کی ذمہ داری اپنی طرف منسوب کی ہے تو یقیناً اللہ کریم نے اس ذمہ داری اور اس وعدہ کو پورا کیا ہے۔ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ اللہ کریم ایک ذمہ داری خود اٹھانے کا وعدہ کریں اور پھر (معاذ اللہ) اسے پورا نہ کریں۔ تو جب یہ بات یقینی ہے کہ اللہ کریم نے خود قرآن حکیم کی تفسیر کا بھی انتظام فرمایا ہے تو اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ انتظام کونسا ہے؟ ہمیں کوئی ایسی کتاب نہیں ملتی کہ جس کے متعلق کہا جائے کہ یہ قرآن حکیم کی تفسیر ہے جسے خداوند قدوس نے خود نازل کر کے اس ذمہ داری کو پورا کیا ہے۔ تو اب ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ تفسیر کا یہ انتظام اللہ رب العزت نے حضور اکرم ﷺ کے ذریعے کیا ہے۔

قرآن حکیم نے حضور اکرم ﷺ کی معرفت ایک اعلان کروایا ہے کہ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

ترجمہ: (اے نبی ﷺ!) لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ (سورۃ آل عمران آیت نمبر 31)

اس آیت مبارکہ میں اگر غور کیا جائے تو ایک بہت لطیف نکتہ سامنے آتا ہے کہ آیت مبارکہ میں یہ نہیں فرمایا کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو اس کی پیروی کرو بلکہ فرمایا گیا کہ میری پیروی کرو۔ حالانکہ بظاہر محبت الٰہیہ کے ساتھ تو اللہ ہی کی پیروی کا ذکر مناسب محسوس ہوتا ہے لیکن یہاں حضور اکرم ﷺ کی پیروی کا ذکر ہے۔ اس میں ایک لطیف سا نکتہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ اصل مفہوم کچھ اس طرح سے ہے کہ اے اللہ کے بندو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو اللہ سے محبت کی بنا پر تم اللہ کے احکام پر تو ظاہر ہے عمل کرو گے ہی لیکن اللہ کے بندو! اتنا کافی نہیں ہے۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری محبت کے جواب میں اللہ بھی تم سے محبت کرے تو اس کے لیے تم اللہ کریم کے احکامات کی اتباع کے ساتھ ساتھ رسول اکرم ﷺ کی پیروی بھی کرو تب اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اگر صرف اللہ کے احکام کی پیروی کرو گے اور رسول کریم ﷺ کے احکام کو سند تسلیم نہ کرو گے تو جواب میں اللہ کی محبت نہ حاصل کر سکو گے۔

عقلی لحاظ سے بھی اگر دیکھا جائے تو حدیث و سنت کو ماخذ شریعت تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ جب یہ بات واضح ہے کہ قرآن حکیم میں ہر ہر مسئلہ کی تفصیلات موجود نہیں ہیں بلکہ اکثر اجمال سے ہی کام لیا گیا ہے تو عقل کا تقاضا ہے کہ اس اجمال کی تفصیل اور تشریح بھی ہو۔ اب اگر اس تفصیل اور تشریح کا اختیار نبی کو نہیں ہو سکتا تو ظاہر ہے کسی اور کو بھی نہیں ہو سکتا۔ اس کی بہترین تفصیل، تشریح اور تفسیر یقیناً صرف نبی ہی کر سکتا ہے کیونکہ نبی کا خداوند قدوس کے ساتھ ایک رابطہ قائم ہے جس رابطہ کی وجہ سے نبی خدا سے براہ راست راہنمائی حاصل کر سکتا ہے اور یہ رابطہ کسی اور کے پاس موجود نہیں ہے۔

نبی کا کام صرف پہنچا دینا ہی نہیں ہے بلکہ تبلیغ بھی ہے۔ اگر صرف پہنچا دینا ہی مقصود ہوتا تو اللہ کریم اس پر بھی قادر تھے کہ ہر ہر فرد کے ہاتھوں تک لکھی ہوئی کتاب خود بخود پہنچ جاتی۔ رسالت کا سلسلہ صرف کتاب پہنچانے کے لیے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا ایک بڑا مقصد تبلیغ بھی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ

ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔ (سورۃ المائدہ آیت نمبر 67)

تبلیغ کا ایک لازمی اصول ہے کہ داعی کا اپنا عمل اپنی دعوت اور تبلیغ کے مطابق ہو ورنہ اس کی دعوت و تبلیغ کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ تو جب حضور اکرم ﷺ نے قرآن حکیم کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام دینا ہے اور اللہ رب العزت کی طرف سے آپ کی ذمہ داری ہے تو یقیناً آپ کی زندگی کا ہر ہر لمحہ اس قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق ہوگا۔ اور جب آپ کی زندگی کا ہر ہر لمحہ قرآن حکیم کے مطابق ہے تو آپ کی زندگی کو نمونہ نہ بنانے اور اسے ماخذ شریعت تسلیم نہ کرنے کا کوئی جواز نہیں رہتا۔

اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو ہم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے کہ اگر نبی نہ ہو صرف قرآن ہو تو ہر آدمی اپنی سوچ کے مطابق قرآن حکیم کی تفسیر کرے گا اور ظاہر ہے کہ ہر ایک کی اپنی اپنی سوچ ہے تو اس طرح قرآن حکیم کے معانی و مفاہیم اور مراد میں یقیناً اختلاف ہوگا۔ تو اب اگر اس اختلاف کا فیصلہ نبی نہ کرے تو کون کر سکتا ہے۔

ذرا اس نکتے پر بھی غور کیجیے کہ اگر نبی کی اطاعت کو تسلیم نہ کیا جائے تو ایمان بالرسالت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ یعنی ایمان بالرسالت کا بھی تقاضا ہے کہ نبی کی اطاعت کی جائے اور نبی کی سنت اور حدیث کو ماخذ شریعت تسلیم کیا جائے۔ اور اس سوال کو بھی مدنظر رکھا جائے کہ اگر حدیث و سنت ماخذ شریعت نہ ہوں تو اس کا مطلب ہوگا کہ نبی نے اگر کوئی امر کیا ہے تو اس کی بجا آوری ضروری نہیں ہے تو جب نبی کے فرامین اور اوامر کی بجا آوری ضروری نہیں تو نبی نے اوامر کیے کیوں؟ ظاہر ہے کہ نبی نے اوامر اسی لیے کیے ہیں کہ ان کی بجا آوری ضروری ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ حدیث و سنت ماخذ شریعت ہے۔

اگر نبی کا کام صرف کتاب پہنچا دینا ہے اور نبی کی حدیث اور سنت ماخذ شریعت نہیں ہے تو جو بہت سے ایسے انبیاء آئے ہیں کہ جو کوئی کتاب نہیں لائے ان کی بعثت کا مقصد کیا تھا؟ اور ان کے پیروکاروں کے لیے ماخذ شریعت کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ ان کی بعثت اسی لیے تھی کہ وہ لوگوں تک پیغام ہدایت پہنچائیں اور کتاب نہ ہونے کے باوجود لوگ ان کے اقوال و افعال کو حجت تسلیم کرتے ہوئے ان کی اتباع کریں اور ان لوگوں کے لیے ماخذ شریعت ان انبیاء کی حدیث و سنت یا پہلے سے موجود کتب ہوں گی۔

اگر نبی کا یہ کہنا کہ "قرآن حکیم اللہ کی طرف سے ہے" یہ حجت ہے تو نبی کے دیگر اقوال کے حجت ہونے میں کیا چیز مانع ہے؟ اگر دیگر اقوال حجت نہیں ہیں تو پھر یہ کیسے حجت ہو گیا؟ یا تو سبھی اقوال کے حجت ہونے کا اقرار کیا جائے گا یا سبھی کے حجت ہونے کا انکار کیا جائے گا اور اس دوسری صورت میں قرآن حکیم کی حیثیت بھی مشکوک ہو جائے گی اور پھر کوئی ایک بھی ماخذ شریعت موجود نہ رہے گا۔ مذکورہ بالا بحث سے واضح ہو گیا کہ حدیث و سنت بھی ماخذ شریعت ہے۔ اس کی تائید قرآن بھی کرتا ہے، خود حضور اکرم ﷺ نے بھی اسے ماخذ شریعت قرار دیا اور یہ کہ عقل کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اسے ماخذ شریعت تسلیم کیا جائے۔ باقی رہی یہ بات کہ حدیث و سنت کس حد تک محفوظ اور قابل اعتماد ہے تو ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ علماء و محدثین نے انتھک محنت اور کاوش کے ساتھ ذخیرۂ احادیث میں سے صحیح و غلط کو بالکل الگ الگ کر دیا ہے اور اس غرض سے حدیث کے متعلق بہت سے علوم بھی بنائے گئے ہیں۔ رحمت دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی کتابت حدیث کی طرف توجہ دی جانے لگی تھی اور آپ کے فرامین کو قلمبند کر کے محفوظ کیا جانے لگا تھا۔ حفظ، تحریر اور تعامل بر حدیث آپ کے دور میں حفاظت حدیث کے بڑے ذرائع تھے۔ آپ کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ اور پھر تابعینؒ اور تبع تابعینؒ نے حفاظت و کتابت حدیث کے سلسلے میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں اور آج تک امت محمدیہ میں درس حدیث کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔

☆☆☆☆

اسلام کا معاشرتی نظام

اسلام ایک جامع اور کامل دین ہے کہ جس نے زندگی کے ہر شعبہ میں انسانیت کی راہنمائی کی ہے۔ اخلاقیات ہو یا معاشرت، اقتصادیات ہو یا سیاست، زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے کہ جس کے متعلق اسلام نے ہمیں راہنمائی نہ دی ہو۔ اس باب میں ہم اسلام کے معاشرتی نظام اور اسلام کی معاشرتی تعلیمات کا ایک جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

اسلام کے معاشرتی نظام کا تعارف:

انسان کو مدنی الطبع یا معاشرتی حیوان کہا جاتا ہے کیونکہ انسان اپنی زندگی کے ہر دور میں دوسروں سے میل جول کا محتاج رہتا ہے۔ بچپن میں انسان مکمل طور پر دوسروں کا محتاج رہتا ہے، جوانی میں بھی انسان دوسروں کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور بڑھاپے میں بھی انسان اپنے ضعف اور نقاہت کی بنا پر بہت حد تک دوسروں کا محتاج بن جاتا ہے۔ معاشرت کو اختیار کرنا انسانی عقل کا تقاضا ہے کیونکہ یہ واضح بات ہے کہ ایک بچہ دوسروں کا انتہائی محتاج ہے۔ خود اپنی پرورش کا بھی انتظام کرنا اس سے ممکن نہیں ہے۔ پھر جوانی میں اگر وہ کسی حد تک رہبانیت کی روش پر چلتے ہوئے معاشرہ سے کٹ کر رہ بھی لے تو بڑھاپے میں وہ ایک بار پھر شدید ضرورت محسوس کرے گا کہ کوئی اس کا احساس کرتے ہوئے اس سے تعاون کرے۔ جب بڑھاپے میں اسے دوبارہ دوسروں کی حاجت محسوس ہوتا ہے تو عقل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ جوانی میں بھی رہبانیت اختیار کرنے کی بجائے دوسروں سے بہتر تعلقات استوار رکھے۔ اگر وہ جوانی میں دوسروں کے ساتھ بہتر تعلقات نہیں رکھتا تو بڑھاپے میں وہ کس طرح دوسروں سے یہ امید رکھ سکتا ہے کہ وہ اس کی ضروریات کا خیال رکھیں گے۔

فطری طور پر بھی انسان معاشرت پسند ہے۔ ہر نوجوان جنس مخالف کی طرف ایک خاص میلان اور رجحان رکھتا ہے اور اگر اس میلان اور رجحان کو زبردستی کچلنے کی کوشش کی جائے تو اس کا نتیجہ اخلاقی برائیوں کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

اخلاقی لحاظ سے بھی اگر دیکھا جائے تو انسان کا ہر ایک سے کٹ کر اور الگ تھلگ ہو کر رہنا زیب نہیں دیتا۔ اخلاقیات کا تقاضا ہے کہ وہ دوسروں کے ساتھ میل جول رکھے اور بوقت ضرورت میل جول رکھے۔ دوسروں کی ضروریات کا خیال رکھے اور ان کے کام آئے نہ کہ خود غرضی کا لبادہ اوڑھے الگ پڑا رہے۔

اسلام ایک معقول، فطری اور اخلاقی مذہب ہے اور یہ عقل، فطرت اور اخلاقیات کے تقاضوں سے صرف نظر نہیں کر سکتا۔ اسی وجہ سے اسلام رہبانیت کا قائل نہیں ہے بلکہ اپنے پیروکاروں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ معاشرہ کے ایک فرد کی حیثیت سے رہتے ہوئے اپنی اور معاشرہ کی اصلاح کے لیے کوشش کریں۔

اسلام کے معاشرتی نظام پر بات کرتے ہوئے ہمیں یہ ضرور مدنظر رکھنا ہوگا کہ اسلام معاشرہ کی اصلاح کے لیے فرد کی اصلاح کو راستہ بناتا ہے کیونکہ معاشرہ افراد ہی سے بنتا ہے اور اگر افراد کی ذاتی اصلاح ہو جائے تو معاشرہ کی بھی اصلاح ہو جائے گی لیکن اگر افراد کی اصلاح نہیں ہوئی اور ہم یہ کوشش کریں کہ بحیثیت مجموعی ہم معاشرہ کو بدل کر رکھ دیں اور اس کی بحیثیت مجموعی اصلاح کریں تو یہ ممکن نہیں ہوگا۔ چنانچہ اسلام زیادہ تر فرد کی ذاتی اصلاح پر زور دیتا ہے البتہ بحیثیت اجتماعی بھی ضروری اصلاحات کے نفاذ کا قائل ہے۔

قرآن حکیم میں یٰاَیُّھَا النَّاسُ جیسے اجتماعی خطابات استعمال کیے گئے ہیں اور یہ اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ اسلام رہبانیت پسند نہیں بلکہ معاشرت پسند مذہب ہے۔

☆☆☆☆☆

اسلام کے معاشرتی نظام کی نمایاں خصوصیات

1. توحید:

اسلام کے معاشرتی نظام کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو در در کا بھکاری یا دہریہ بنانے کی بجائے صرف اور صرف ایک وحدہ لاشریک ذات کا پرستار بناتا ہے۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ؐ

ترجمہ: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ (سورۃ الفاتحہ آیت نمبر 4)

2. رسالت:

اسلام اپنے ماننے والوں کو بھٹکتے ہوئے نہیں چھوڑتا بلکہ یہ ایک یقینی ذریعہ علم "وحی" کے ذریعے نازل کردہ ایک پیغام اور اس پیغام کے مکتوب الیہ آقا محمد ﷺ کی شریعت پر عمل کی دعوت دیتا ہے۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ؐ

ترجمہ: اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو شاید کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (سورۃ آل عمران آیت نمبر 132)

3. مساوات:

دیگر معاشرتی نظاموں کی طبقاتی تقسیم کے برعکس اسلام اپنے پیروکاروں کو ایک وحدت اور مساوات کا درس دیتا ہے۔ اسلام بحیثیت انسان سب انسانوں کو برابری کا درجہ دیتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ یادگار خطاب بڑے خوبصورت انداز میں درس مساوات دیتا ہے۔

"خبردار! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی سیاہ کو کسی سرخ پر اور کسی سرخ کو کسی سیاہ پر تقویٰ کے سوا کوئی فضیلت نہیں ہے۔"

4. غلاموں کا مقام:

اسلام نے تمام انسانیت کو بحیثیت انسان ایک دوسرے کے برابر لا کر آقا و غلام کے امتیازات کو مٹا دیا۔ اسلام نے غلاموں کے حقیر ہونے کا تصور ختم کر دیا اور کئی طرح سے غلاموں کی آزادی کی ترغیب دلائی۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

5. عورت کا مقام:

اسلام نے عورت کو بھی اس کا صحیح مقام دیا۔ اسلامی معاشرہ میں عورت پاؤں کی جوتی نہیں بلکہ ماں ہے، بیوی ہے، بہن ہے اور بیٹی ہے۔ کثرت ازدواج کو اسلام نے چار تک محدود کر دیا۔ محرمات سے نکاح ناجائز قرار دیا۔ طلاق کو "ابغض الحلال" قرار دے کر اس کے بے تحاشا استعمال کو ختم کرایا۔

6. قبائلی تفاخر کا خاتمہ:

اسلام نے واضح اعلان کر دیا کہ

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى

ترجمہ: لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ (سورۃ الحجرات آیت نمبر 13)

اس طرح اسلام نے کنبے اور قبیلے کے لحاظ سے دوسروں کے مقابلہ میں فخر کا خاتمہ کر دیا' البتہ اسلام کنبوں اور قبیلوں کو یکسر ختم نہیں کرتا لیکن کنبے اور قبیلے بنانے کی اجازت کے ساتھ ہی اسلام نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ خیال رکھو! یہ کنبے اور قبیلے تو ہم تمہارے بنا رہے ہیں لیکن انہیں طبقاتی تقسیم نہ سمجھ لینا' ان کا مقصد صرف الگ الگ تعارف ہے۔

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط

ترجمہ: اور ہم نے تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ (سورۃ الحجرات آیت نمبر 13)

7. تقویٰ:

اسلام نے کسی رنگ' نسل' کنبہ' قبیلہ' قوم یا علاقہ سے تعلق کو فضیلت کا معیار قرار نہیں دیا۔ ان سب سے ہٹ کر ایک خوبصورت معیار فضیلت بتایا ہے اور وہ معیار تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط

ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ (سورۃ الحجرات آیت نمبر 13)

8. وحدت فکر:

اسلام اپنے پیروکاروں کو یہ درس دیتا ہے کہ جس طرح انسان بحیثیت انسان برابر ہیں' اسی طرح درحقیقت فطری طور پر ان کی سوچ اور فکر میں بھی ایک وحدت پائی جاتی ہے۔ ان کی فطرت صرف اسلام ہی کی طرف بلاتی ہے' البتہ ایک دوسرے کی مخالفت اور خواہشات نفسانیہ نے کئی لوگوں کو اس فطری راستہ سے ہٹا دیا ہے۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ قف وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ط

ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے اور نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے جنہیں کتاب دی گئی تھی مگر علم آ جانے کے بعد صرف ایک دوسرے پر زیادتی کے لیے۔ (سورۃ آل عمران آیت نمبر 19)

9. اخوۃ: اسلام نے تمام مومنوں کو آپس میں بھائی چارے کی ترغیب دی ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ

ترجمہ: سوائے اس کے نہیں کہ مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ (سورۃ الحجرات آیت نمبر 10)

اور کبھی کبھی یہ اخوت اور بھائی چارہ حالات کی مناسبت سے زیادہ مؤکد ہو جاتا ہے۔ مواخات مدینہ اس کی واضح مثال ہے۔

10. امر بالمعروف و نہی عن المنکر:

ایک بہترین معاشرہ کے لیے ضروری ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہوتا رہے تاکہ لوگوں کو اعلیٰ صفات کی یاد دہانی بھی ہوتی رہے اور رذائل اخلاق سے بچنے کی تلقین بھی ہوتی رہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ط

ترجمہ: تم وہ بہترین گروہ ہو جسے انسانوں (کی ہدایت و اصلاح) کے لیے لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ (سورۃ آل عمران آیت نمبر 110)

11. تعاون:

اسلام مسلمانوں کو آپس میں تعاون کی فضا پیدا کرنے کی بھی تلقین کرتا ہے خصوصاً نیکی کے کاموں میں تعاون کی زیادہ ترغیب دیتا ہے۔ البتہ برائی اور گناہ کے کاموں میں تعاون کی ممانعت بھی کرتا ہے۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ص وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص

ترجمہ: نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔ (سورۃ المائدہ آیت نمبر 2)

12. احساس ذمہ داری:

اسلام نے مسلمانوں کو احساس دلایا ہے کہ جو تم نے نیکی یا بدی کرنی ہے اپنے لیے کرنی ہے۔ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ اٹھانے والا نہیں ہے اور جو کچھ کرتا ہے خود کرتا ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ج

ترجمہ: کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ (سورۃ الانعام آیت نمبر 164)

13. عدل:

اسلام عدل کی تلقین کرتا ہے کہ جس کا جتنا حق ہے اسے اسی قدر دیا جائے۔ اگر کوئی زیادہ حق رکھتا ہے تو اسے زیادہ دیا جائے اور اگر کوئی تھوڑا حق رکھتا ہے تو اسے تھوڑا دیا جائے۔

اِعْدِلُوْا قف هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز

ترجمہ: عدل کرو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ (سورۃ المائدہ آیت نمبر 8)

14. احسان وایثار:

اسلام ہمیں احسان اور ایثار کی بھی ترغیب دیتا ہے۔ کسی کو اپنی رضامندی اور خوشی سے اس کے حق کی نسبت زیادہ دے دینا احسان کہلاتا ہے لیکن اگر بندہ خود بھی اس چیز کی ضرورت رکھتا ہو لیکن اس کے باوجود دوسرے کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دے کر یہ احسان کرتا ہے تو اس کو ایثار کہا جائے گا۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَاۤئِ ذِي الْقُرْبٰى

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان اور قربت والوں کو دینے کا حکم کرتا ہے۔ (سورۃ النحل آیت نمبر 80)

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ

ترجمہ: اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ (سورۃ الحشر آیت نمبر 9)

15. شرف انسانیت:

اسلام نے ساری کی ساری انسانیت کو ایک خاص شرف سے نوازا ہے اور کسی بھی انسان کو اسلام کی نظر میں ذلیل اور گھٹیا نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اسلام کا نظریہ توحید بھی شرف انسانیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ بلند مقام انسان کو زیبا نہیں کہ وہ در در پہ گھٹنے ٹیکتا رہے۔ اس سے اس کی اور اس کے مقام انسانیت کی تذلیل و توہین ہوتی ہے حالانکہ اسلام کی نگاہ میں اسے ایک خاص شرف حاصل ہے کہ

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ٥

ترجمہ: البتہ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے۔ (سورۃ التین آیت نمبر 4)

THE CSS POINT
Yes We Can Do It!

احساس ذمہ داری و باہمی تعاون

یہ بات واضح ہے کہ معاشرہ میں رہتے ہوئے ہر انسان اپنی زندگی کے کسی نہ کسی لمحے میں کسی دوسرے کا ضرور محتاج ہوتا ہے۔ دوسرے لوگوں کی بھی یہی صورت حال ہے کہ وہ بھی کسی نہ کسی انداز میں کبھی نہ کبھی اس کے محتاج ہوں گے۔ جب تمام انسان ایک دوسرے کے محتاج ہیں تو اگر ایک آدمی کسی دوسرے کا بالکل احساس نہ کرے اور اپنی خودغرضی میں مست رہے تو ظاہر ہے کہ اسے دوسروں سے بھی یہ توقع نہیں کرنی چاہیے کہ دوسرے میری احتیاج اور ضرورت میں میرے کام آئیں گے۔ یعنی ایک بہتر معاشرہ کے لیے ضروری ہے کہ معاشرہ کا ہر فرد دوسروں کے ساتھ بہتر تعلقات استوار کرنے کے لیے دوسروں سے تعاون کرے۔ اس باہمی تعاون کے بغیر ایک خوبصورت معاشرہ کی تشکیل ناممکن ہے۔ باہمی تعاون کے جذبے کے بغیر اگر کوئی معاشرہ تشکیل پائے گا تو وہ ایک خودغرضانہ' گھٹیا اور برا معاشرہ ہوگا۔

جب یہ بات واضح ہے کہ باہمی تعاون کے بغیر ایک خوبصورت اور اچھے معاشرہ کی تشکیل ناممکن ہے تو اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ یہ باہمی تعاون کس طرح ممکن ہے؟ اگر ہم یوں کہیں کہ یہ باہمی تعاون احساس ذمہ داری کے ساتھ ہی ممکن ہے تو یہ غلط نہیں ہوگا۔ اگر معاشرہ کے افراد میں ذمہ داریوں کو نبھانے کا احساس موجود نہیں ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ معاشرہ کے افراد کاہل اور سست ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ بہتر انداز میں دوسروں کے معاون نہیں بن سکتے اور ان سے اچھی طرح سے تعاون نہیں کر سکتے۔ وہ یقیناً دوسروں سے تعاون میں اپنی سستی اور کاہلی کی وجہ سے کوتاہی کریں گے۔ وہ ہر کام کو مؤخر سے مؤخر کرنے کے عادی ہوں گے۔ معاشرہ کے دوسرے افراد ان سے جس تعاون کے فی الفور طلب گار ہوں گے' وہ ''اچھا کر دیں گے' اچھا کر دیں گے'' کہتے ہوئے تاخیر کرتے چلے جائیں گے اور ان افراد کو اپنے سے ناراض کر لیں گے اور اس سے معاشرہ میں آپس میں رنجشیں اور لڑائیاں پروان چڑھیں گی اور ظاہر ہے ایسی صورت حال میں ایک معاشرہ کو کسی بھی طور پر خوبصورت معاشرہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے برعکس اگر معاشرہ کے افراد میں احساس ذمہ داری موجود ہو تو وہ بروقت دوسروں سے تعاون کے ذریعے آپس میں محبت کے جذبات پیدا کرنے کا سبب بنیں گے اور جب معاشرہ میں محبت' خلوص' دوستی اور پیار کے جذبات ہوں تو ایسے معاشرہ کو بجا طور پر ایک خوبصورت معاشرہ کہا جا سکتا ہے۔ گویا احساس ذمہ داری اور باہمی تعاون ایک اچھے معاشرہ کی تشکیل کے لیے اساس اور بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جب ہم احساس ذمہ داری اور باہمی تعاون کی بات کرتے ہیں تو ذہنوں میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر انسان کی کچھ ذمہ داریاں اور فرائض بھی ہیں' جن ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا اس کے لیے ایک معاشرہ میں رہتے ہوئے ضروری ہے۔ اس کی یہ ذمہ داریاں یا فرائض معاشرہ کے دوسرے افراد سے تعاون کے لیے ہوں گے۔ گویا وہ معاشرہ کے دوسرے افراد کے حقوق ہوں گے۔ معاشرہ کی سب سے پہلی اکائی ایک خاندان ہے۔ ایک انسان کا سب سے پہلا معاشرتی رشتہ اور رابطہ اپنے خاندان سے ہوتا ہے اور خاندان میں والدین' اولاد اور زوجین خاص اہمیت کے حامل بلکہ خاندان کے لیے بنیادی کردار ادا کرنے والے ہیں۔ ذیل میں ہم والدین' اولاد اور زوجین کے حقوق و فرائض پر بات کر رہے ہیں۔ لیکن یہ خیال رہے کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ معاشرہ کے ایک فرد کے فرائض کسی دوسرے کے حقوق ہوں گے اور اس

کے حقوق کسی دوسرے کے فرائض ہوں گے۔ چنانچہ والدین کے حقوق اولاد کے فرائض ہوں گے اولاد کے حقوق والدین کے فرائض ہوں گے خاوند کے حقوق بیوی کے فرائض ہوں گے اور بیوی کے حقوق خاوند کے فرائض ہوں گے اس لیے ہم ہر ایک کے الگ الگ حقوق اور پھر فرائض گنوانے کی بجائے صرف حقوق کی طرف اشارہ کریں گے اور جب ان سب کے حقوق معلوم ہو جائیں تو حقوق وفرائض کے اس خاص باہمی تعلق کی وجہ سے ان سب کے فرائض بھی خود بخود معلوم ہو جائیں گے۔ حقوق کے بیان میں بھی تفصیل کی بجائے ہم اختصار کو ملحوظ رکھیں گے۔

حقوق والدین:

آیات قرآنیہ:

☆ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

ترجمہ: اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 36)

☆ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ

ترجمہ: (اے نبی ﷺ!) آپ ان سے کہئے کہ آؤ میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ (سورۃ الانعام آیت نمبر 151)

☆ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو ہدایت کی ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ (سورۃ العنکبوت آیت نمبر 8)

☆ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے متعلق ہدایت کی ہے کہ اس کی ماں نے اس کو ضعف پر ضعف اٹھا کر اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے (وہ ہدایت یہ ہے کہ) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا۔ (سورۃ لقمان آیت نمبر 14)

☆ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖ ۚ ۨالْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ

ترجمہ: تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آئے اور وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لیے معروف طریقے سے وصیت کرے۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 180)

☆ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا

رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًاo

ترجمہ: تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو نہ انہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ "اے پروردگار! ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے (رحمت اور شفقت کے ساتھ) مجھے بچپن میں پالا تھا۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 23'24)

☆ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا

ترجمہ: اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔ البتہ دنیاوی معاملات میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ۔ (سورۃ لقمان آیت نمبر 15)

احادیث نبویہ:

☆ حضرت ابی بکرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

"اللہ چاہے تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے سوائے والدین کی نافرمانی کے۔ وہ اس کے مرتکب کے لیے مرنے سے پہلے ہی (سزا دینے میں) عجلت کر دیتا ہے۔"

☆ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

"جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ اس کی عمر دراز کی جائے اور اس کے رزق میں فراخی ہو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔"

☆ حضرت انسؓ سے ہی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

"کبیرہ گناہوں میں سے ہیں اللہ کے ساتھ شرک کرنا' والدین کی نافرمانی کرنا' کسی نفس کا قتل کرنا اور جھوٹی بات کہنا۔"

☆ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

"جنت میں وہ شخص نہیں جائے گا جو احسان جتانے والا ہو اور نہ جو والدین کی نافرمانی کرنے والا ہو اور جو شرابی ہو اور توبہ نہ کرے۔"

☆ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

"والدین پر لعنت کرنے والا اللہ کے ہاں ملعون ہے۔"

☆ ایک صحابیؓ نے حضور اکرم ﷺ سے جہاد پر جانے کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے سوال کیا کہ تمہاری ماں زندہ ہے؟ اس نے عرض کیا کہ زندہ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ

"تم ان کی خدمت میں لگے رہو' تمہاری جنت ان کے قدموں میں ہے۔"

☆ ایک آدمی نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ مجھ پر سب سے زیادہ کس کا حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا ماں کا۔ اس نے دوبارہ سوال کیا کہ اس کے بعد کس کا حق ہے؟ آپؐ نے پھر فرمایا کہ ماں کا۔ اس نے تیسری بار سوال کیا کہ اس کے بعد پھر کس کا ہے؟ آپؐ نے تیسری دفعہ بھی فرمایا کہ ماں کا۔ پھر اس نے چوتھی دفعہ سوال کیا کہ اس کے بعد پھر کس کا ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ

باپ کا۔

☆ ایک موقع پر حضور اکرم ﷺ نے تین دفعہ فرمایا کہ "اس کی ناک خاک آلود ہوئی۔ اس کی ناک خاک آلود ہوئی۔ اس کی ناک خاک آلود ہوئی۔" صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضور! آپ کس کا ذکر کر رہے ہیں؟ فرمایا کہ

"جس نے والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا لیکن اس کے باوجود وہ (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہو سکا۔"

☆ حضرت اسماءؓ بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ کہتی ہیں کہ میری رضاعی ماں صلح حدیبیہ کے دنوں میں میرے پاس آئی اور اس نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ مجھ سے چاہتی تھی کہ میں اسے کچھ دوں۔ میں نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ میری رضائی ماں جو کہ مشرکہ ہے میرے پاس آئی ہے اور چاہتی ہے کہ میں اسے کچھ دوں تو کیا میں اسے دے دوں؟ آپ نے فرمایا کہ

"ہاں! تم اس کے ساتھ مہربانی کا ہی سلوک کرو۔"

چیدہ چیدہ حقوق پر ایک نظر:

1. والدین کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔
2. والدین کا شکر گزار رہا جائے۔
3. وراثت میں بھی والدین کا حق ہے۔
4. اگر والدین میں سے کوئی جھڑک دے تو خاموشی سے برداشت کیا جائے۔
5. والدین کی خدمت کی جائے۔
6. ان کے ساتھ نرمی سے بات چیت کی جائے۔
7. ان کے ساتھ رحمت اور شفقت کے ساتھ پیش آیا جائے۔
8. ان کے لیے بھلائی اور خیر کی دعا کی جائے۔
9. ان کی وفات کے بعد ان کے لیے مغفرت کی دعا بھی کی جائے بشرطیکہ وہ مشرک نہ ہوں۔
10. معروف میں ان کی اطاعت کی جائے۔
11. اگر وہ شرک کی طرف دعوت دیں تو اسے تسلیم نہ کیا جائے البتہ اس کے باوجود دنیاوی معاملات میں ان سے اچھا سلوک ہی روا رکھا جائے۔
12. ان کی نافرمانی کا ارتکاب نہ کیا جائے۔
13. ان کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے۔
14. ان کے متعلق نازیبا کلمات نہ ادا کیے جائیں۔
15. ان کا احترام ملحوظ رکھا جائے۔
16. ان کے قرابت داروں کا بھی خیال رکھا جائے۔
17. ان کی طرف محبت کی نظر سے دیکھا جائے۔
18. اگر انہیں حاجت ہو تو ان کے ساتھ مالی تعاون کیا جائے۔
19. ان کو ڈانٹ ڈپٹ نہ کی جائے اور ان کے ساتھ سخت زبان استعمال نہ کی جائے۔

حقوق اولاد:

آیات قرآنیہ:

☆ وَ لَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ مِّنۡ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُکُمۡ وَ اِیَّاہُمۡ ۚ

ترجمہ: اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم ہی تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی۔ (سورۃ الانعام آیت نمبر 151)

☆ یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الۡمُؤۡمِنٰتُ یُبَایِعۡنَکَ عَلٰۤی اَنۡ لَّا یُشۡرِکۡنَ بِاللّٰہِ شَیۡئًا وَّ لَا یَسۡرِقۡنَ وَ لَا یَزۡنِیۡنَ وَ لَا یَقۡتُلۡنَ اَوۡلَادَہُنَّ وَ لَا یَاۡتِیۡنَ بِبُہۡتَانٍ یَّفۡتَرِیۡنَہٗ بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِنَّ وَ اَرۡجُلِہِنَّ وَ لَا یَعۡصِیۡنَکَ فِیۡ مَعۡرُوۡفٍ فَبَایِعۡہُنَّ وَ اسۡتَغۡفِرۡ لَہُنَّ اللّٰہَ ؕ

ترجمہ: اے نبی (ﷺ)! جب آپ کے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں اس پر کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی' چوری نہ کریں گی' زنا نہ کریں گی' اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی' اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گے اور کسی امر معروف میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لے لیجیے اور ان کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کیجیے۔ (سورۃ الممتحنہ آیت نمبر 12)

☆ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَہۡلِیۡکُمۡ نَارًا

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے۔ (سورۃ التحریم آیت نمبر 6)

☆ وَ لَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ خَشۡیَۃَ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُہُمۡ وَ اِیَّاکُمۡ ؕ اِنَّ قَتۡلَہُمۡ کَانَ خِطۡاً کَبِیۡرًا ۝

ترجمہ: اور اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ بے شک ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 31)

☆ وَ الۡوَالِدٰتُ یُرۡضِعۡنَ اَوۡلَادَہُنَّ حَوۡلَیۡنِ کَامِلَیۡنِ لِمَنۡ اَرَادَ اَنۡ یُّتِمَّ الرَّضَاعَۃَ ؕ

ترجمہ: جو چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد پوری مدت رضاعت تک دودھ پیے تو مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلائیں۔ (سورۃ البقرۃ آیت نمبر 233)

☆ لِلرِّجَالِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا تَرَکَ الۡوَالِدٰنِ وَ الۡاَقۡرَبُوۡنَ ۪ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا تَرَکَ الۡوَالِدٰنِ وَ الۡاَقۡرَبُوۡنَ مِمَّا قَلَّ مِنۡہُ اَوۡ کَثُرَ ؕ نَصِیۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ۝

ترجمہ: مردوں (نر اولاد) کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں (مادہ اولاد) کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو خواہ تھوڑا ہو یا بہت' اور یہ حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 7)

احادیث نبویہ:

☆ بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ
"ولادت کے بعد بچے کا عقیقہ ہونا چاہیے۔ پس تم اس کی طرف سے جانور کا خون بہاؤ اور اس سے پلیدی کو دور کرو۔"

☆ موطا امام مالکؒ میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ
"جس کے ہاں بچہ پیدا ہو اور وہ اس کی طرف سے جانور ذبح کرنا پسند کرے تو اسے چاہیے کہ وہ ضرور جانور ذبح کرے۔"

☆ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ
"اپنی اولاد کا خیال رکھو اور انہیں اچھی تہذیب کی تعلیم دو۔"

☆ فرمان نبویؐ ہے کہ
"اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوں اور انہیں اس (کے ادا نہ کرنے) پر پیٹو جب وہ دس سال کے ہو جائیں۔"

☆ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ
"جس شخص کے ہاں بیٹی پیدا ہو، وہ اسے زندہ در گور نہ کرے اور اسے ذلیل نہ کرے اور اس پر اپنے بیٹے کو ترجیح نہ دے اللہ اس شخص کو جنت میں داخل کرے گا۔"

☆ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ
"جس نے تین بیٹیوں کی پرورش کی، انہیں اچھا ادب سکھایا اور ان کی شادی کی اور ان سے حسن سلوک کیا، وہ جنت میں جائے گا۔"

☆ حضور اکرم ﷺ ایک دفعہ حضرت حسنؓ کا بوسہ لے رہے تھے۔ اقرعؓ بن حابس بھی پاس بیٹھے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ آپ اپنے نواسے کا بوسہ لے رہے ہیں اور میرے دس بچے ہیں، میں نے ان میں سے کسی کا بھی کبھی بوسہ نہیں لیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ
"جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔"

چیدہ چیدہ حقوق پر ایک نظر:

1. اولاد کو قتل نہ کیا جائے۔
2. انہیں نیکی اور ہدایت کے رستے کی طرف ترغیب دی جائے۔
3. پیدائش کے وقت ان کے کان میں اذان دی جائے۔
4. ان کی طرف سے عقیقہ کیا جائے۔
5. ماں انہیں دودھ پلائے۔
6. اگر ماں دودھ نہیں پلا سکتی تو کسی دائی کا یا کسی اور ذریعے کا انتظام کیا جائے۔
7. وراثت میں ان کا حق دیا جائے۔
8. ان کی اچھی تربیت کی جائے اور انہیں اچھی تہذیب سکھلائی جائے۔
9. ان کی تعلیم کا خیال رکھا جائے۔
10. ان کی ضروریات کا خیال رکھا جائے۔

11. اگر بیٹی ہو تو اسے بیٹے کی نسبت حقیر نہ سمجھا جائے۔
12. زیادہ اولاد ہو تو اس میں عدل کو برقرار رکھا جائے۔
13. ان کی شادی کی جائے۔
14. ان کے ساتھ پیار اور محبت کا سلوک کیا جائے۔
15. ان پر شفقت اور نرمی کی جائے۔
16. ان کی اچھی پرورش اور دیکھ بھال کی جائے۔
17. ان کا اچھا نام رکھا جائے۔
18. ذاتی معاملات میں اولاد کو جائز حد تک آزادی دی جائے۔
19. شعور کی عمر تک پہنچ جانے پر انہیں گھریلو معاملات اور مشوروں میں شریک کیا جائے۔
20. ان پر اعتماد کیا جائے۔

حقوق زوجین:

آیات قرآنیہ:

☆ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ

ترجمہ: وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 187)

☆ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ

ترجمہ: عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 228)

☆ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ○ وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ

ترجمہ: ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔ پھر اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اسی میں بہت کچھ بھلائی رکھی ہو۔ اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانے کا ارادہ کر لو اور تم نے کسی ایک کو ڈھیروں سامان دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔ (سورۃ النساء آیات نمبر 19، 20)

☆ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ

ترجمہ: جو کچھ مردوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 32)

☆ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَ الّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ

اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ط

ترجمہ: مرد عورتوں پر قوام ہیں اس بناء پر کہ اللہ نے ان میں سے کسی کو کسی پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ پس جو صالح عورتیں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کی غیر موجودگی میں اللہ کی حفاظت میں ان کے حقوق کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو انہیں سمجھاؤ اور خواب گاہوں میں انہیں الگ کر دو اور انہیں مارو پھر اگر وہ تمہاری مطیع ہو جائیں تو خواہ مخواہ ان پر (دست درازی کے) بہانے نہ تلاش کرو۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 34)

☆ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ط

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تا کہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ (سورۃ الروم آیت نمبر 21)

☆ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ج فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً

ترجمہ: تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین اور چار چار سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک بیوی کرو۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 3)

☆ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ط

ترجمہ: اور عورتوں کے مہر خوشدلی کے ساتھ ادا کرو۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 4)

☆ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ط

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 19)

☆ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ط

ترجمہ: ان کے ماسوا جتنی عورتیں ہیں انہیں اپنے اموال کے ذریعے سے (یعنی مہر دے کر) حاصل کرنا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے بشرطیکہ حصار نکاح میں ان کو محفوظ کرو نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 24)

☆ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ص فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ز

ترجمہ: تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں جس طرح چاہو اپنی کھیتی میں جاؤ۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 233)

☆ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ص فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ط

ترجمہ: طلاق دوبار ہے۔ پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 229)

☆ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ

ترجمہ: پھر اگر (تیسری دفعہ بھی) طلاق دے دی تو وہ عورت پھر اس کے لیے حلال نہ ہوگی۔ الا یہ کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ہو پھر اگر وہ اسے طلاق دے دے تب اگر پہلا شوہر اور یہ عورت دونوں یہ خیال کریں کہ حدود الٰہی پر قائم رہیں گے تو ان کے لیے (دوبارہ نکاح کے ساتھ) ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 230)

احادیث نبویہ:

☆ بخاری شریف میں روایت ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا کہ

"بیوی کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ شوہر کی غیر موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر میں آنے دے۔ وہ شوہر کے حکم کے بغیر جو کچھ خرچ کرتی ہے اس کا آدھا اجر اس کے شوہر کو ملے گا۔"

☆ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

"تم عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں میری وصیت کو قبول کرو۔ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کا اوپر کا حصہ بہت ٹیڑھا ہوتا ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ ڈالو گے اور اگر تم اسے اس کے حال پر چھوڑ دو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی پس تم عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں میری وصیت قبول کرو۔"

☆ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا کہ

"عورت جب پانچ نمازیں ادا کرے اور ماہ رمضان کے روزے رکھے اور اپنی عصمت کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو (قیامت کے روز) وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔"

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا کہ

"مومن شوہر کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ بیوی سے نفرت کرے۔ اگر وہ اس کی کسی خصلت کو گوارا نہیں کرتا تو اس کی کسی دوسری خصلت کو پسند بھی تو کرتا ہے۔"

☆ حضرت معاذؓ بن جبل سے روایت ہے کہ رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ

"خدا پر ایمان رکھنے والی عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں ایسے شخص کو آنے کی اجازت دے جس کا آنا شوہر کو ناپسند ہو اور وہ گھر سے ایسے نکلے کہ اس کا نکلنا شوہر کو ناپسند ہو اور عورت شوہر کے معاملے میں کسی دوسرے کا کہنا مانے۔"

☆ ابوداؤد میں روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مردوں کو عورتوں کے متعلق ہدایت کی کہ

"تم ان کو وہی کھلاؤ جو کہ تم خود کھاتے ہو۔"

☆ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

"اس عورت کی نماز جو کہ شوہر کی نافرمانی کرنے والی ہے اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ شوہر کی نافرمانی سے باز نہ آجائے۔"

☆ قرآن حکیم میں ایسی عورتوں کے متعلق کہ جن کی سرکشی کا خدشہ ہو **وَاضْرِبُوْهُنَّ** کا لفظ موجود ہے لیکن اس سے مراد یہ نہیں کہ انہیں خوب مارو پیٹو بلکہ صرف سمجھانے اور سبق سکھانے کے لیے معمولی سا مارنے کی اجازت دی گئی ہے اور سخت مار سے حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ

"ان کی پٹائی نہ کرو اور انہیں برا بھلا نہ کہو۔"

☆ فرمان نبویؐ ہے کہ

"جو عورت اس حالت میں فوت ہوگئی کہ اس کا خاوند اس سے راضی اور خوش تھا' وہ جنت میں داخل ہوگئی۔"

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

"جس آدمی کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں عدل نہ کرے تو وہ قیامت کے روز اس حالت میں آئے گا کہ اس کا آدھا جسم گرا ہوا ہوگا۔"

☆ حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سی بیوی بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ

"ایسی عورت کہ جب اس کا خاوند اسے دیکھے تو وہ اسے خوش کردے اور جب خاوند اسے حکم کرے تو وہ اس کی اطاعت کرے اور وہ اپنے مال اور اپنی عصمت کے متعلق ایسا طرز نہ اختیار کرے جو شوہر کو ناپسند ہو۔"

☆ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ

"قیامت کے روز اللہ کے ہاں بدترین انسان وہ ہوگا جو اپنی بیوی سے لطف اندوز ہوتا ہے اور وہ اس سے لطف اندوز ہوتی ہے' پھر وہ اس کا راز افشا کرتا ہے۔"

چیدہ چیدہ حقوق پر ایک نظر:

آیات و احادیث کے بیان میں ہم نے مرد اور عورت کے حقوق کے متعلق آیات و احادیث کو الگ الگ نہیں کیا کیونکہ ان میں سے کئی آیات و احادیث مرد اور عورت کے حقوق میں مشترک حیثیت رکھتی ہیں۔ البتہ ذیل میں ہم خاوند اور بیوی کے چیدہ چیدہ حقوق پر الگ الگ نظر کر رہے ہیں:

خاوند کے چند حقوق حسب ذیل گنوائے جاسکتے ہیں:

1. اس کے رازوں کی حفاظت کی جائے۔
2. اس کا بلند درجہ تسلیم کیا جائے۔
3. اس کی اطاعت کی جائے۔
4. بیوی اپنی عصمت کی حفاظت کرے۔
5. بیوی خاوند کے مال کی بھی حفاظت کرے۔
6. خاوند بیوی کی سرکشی پر اسے ڈانٹ ڈپٹ اور معمولی مار پیٹ کا حق رکھتا ہے۔
7. اگر خاوند حق زوجیت کی ادائیگی چاہتا ہے تو اسے اس سے روکا نہ جائے۔
8. خاوند کے ساتھ جن معاملات میں ممکن ہو تعاون کیا جائے اور اس کی پریشانیوں کو کم کرنے کی کوشش کی جائے۔
9. بیوی دل میں خاوند کی محبت رکھے۔
10. خاوند اگر دوسری شادی کرنا چاہے تو اسے یہ حق بھی حاصل ہے۔
11. خاوند کو طلاق کا حق بھی حاصل ہے۔

12. طلاق رجعی کی صورت میں خاوند کو دوبارہ رجوع کا حق بھی حاصل ہے۔
13. بیوی خاوند کے گھر میں اس کے ناپسندیدہ افراد کو آنے کی اجازت نہ دے۔
14. خاوند کا مال اس کی اجازت کے بغیر خرچ کرنا بیوی کے لیے مناسب نہیں ہے۔
15. بیوی خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ نکلے۔
16. خاوند کے معاملہ میں بیوی کسی دوسرے کا کہنا نہ مانے۔
17. بیوی گھر کے ماحول کی درستگی کے لیے کوشش کرے۔
18. بیوی خاوند کے رشتہ داروں سے حسن سلوک کرے۔
19. اولاد کی تربیت میں بیوی کو چاہیے کہ وہ خاوند کا ساتھ دے۔
20. بیوی ہر قسم کے حالات میں صبر و شکر اور قناعت سے کام لے۔

بیوی کے چند حقوق حسب ذیل گنوائے جاسکتے ہیں:

1. خاوند بیوی کے رازوں کی حفاظت کرے۔
2. خاوند اگرچہ معمولی سرزنش کا حق رکھتا ہے لیکن سخت مار پیٹ سے اجتناب کرے۔
3. اس کا حق زوجیت ادا کیا جائے۔
4. گھر کے کام کاج اور انتظام و انصرام میں خاوند کو چاہیے کہ بیوی کا ہاتھ بٹائے۔
5. خاوند کو چاہیے کہ دل میں بیوی کے لیے محبت رکھے۔
6. اسے پیار اور پوری توجہ دی جائے۔
7. بیوی خلع کا حق بھی رکھتی ہے۔
8. خاوند سے طلاق مل جانے یا بیوہ ہو جانے کے بعد اسے دوسری شادی کا حق بھی حاصل ہے۔
9. خاوند بیوی کے رشتہ داروں سے حسن سلوک کرے۔
10. خاوند اولاد کی تربیت میں بیوی کا ساتھ دے۔
11. بیوی کے ساتھ حسن سلوک اور شفقت رکھی جائے۔
12. بیوی کی اخلاقی خوبیوں کا اعتراف کیا جائے۔
13. بیوی کا نفقہ اور لباس خاوند کی ذمہ داری ہے۔
14. اسے حق مہر پورا اور جس قدر جلد ممکن ہو ادا کیا جائے۔
15. اگر خاوند طلاق دے دے تو اسے مہر کی رقم کی واپسی کے مطالبہ کا اختیار نہیں ہے۔
16. اپنی ذاتی رقم وغیرہ خرچ کرنے میں بیوی پر کوئی پابندی عائد نہ کی جائے۔
17. بیوی سے نفرت نہ کی جائے اور نہ ہی اس سے حقارت بھرا سلوک کیا جائے۔
18. ایک سے زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں ان میں عدل کو ملحوظ رکھا جائے۔
19. بیوی کو جائز حد تک آزادی دی جائے۔
20. وراثت میں سے بیوی کا حصہ دیا جائے۔
21. بیوی کو مناسب سامان آرائش و زیبائش مہیا کیا جائے۔
22. بیوی پر اعتماد کیا جائے۔
23. بیوی کو میکے جانے اور میکے والوں سے ملنے سے نہ روکا جائے۔

اسلامی معاشرہ میں مرد اور عورت کی حیثیت

مرد اور عورت کو گاڑی کے دو پہیوں کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ ایک مرد اور عورت کے ملنے سے ایک نئے خاندان کی بنیاد پڑتی ہے اور خاندان معاشرہ کی بنیادی اکائی ہے۔ اسلام کی نظر میں بحیثیت انسان سب برابر ہیں۔ مرد اور عورت کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اسلام نے نسل انسانی کے ہر فرد کو خواہ مرد ہو یا عورت 'اشرف المخلوقات کی صف میں شمار کیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ صرف مردوں کو اشرف المخلوقات قرار دیا گیا ہو اور عورتوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہو یا صرف عورتوں کو اشرف المخلوقات قرار دیا گیا ہو اور مردوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ اسلام نے نسل انسانی کے ہر فرد کو اس شرف اور امتیاز میں برابر رکھا ہے۔ جب تخلیق کی بات ہوئی تو قرآن حکیم نے تمام نسل انسانی کی تخلیق کے لیے احسن تقویم کا لفظ استعمال کیا ہے۔ تخلیق کے اس انداز کی نسبت صرف مردوں کی طرف یا صرف عورتوں کی طرف نہیں کی گئی بلکہ یہاں لفظ انسان استعمال کیا ہے جو کہ مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ٥

ترجمہ: البتہ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے۔ (سورۃ التین آیت نمبر 4)

بحیثیت انسان اگرچہ اسلام کی نظر میں سب برابر ہیں خواہ مرد ہوں یا عورتیں لیکن درجات کے لحاظ سے مردوں کو عورتوں پر ایک حد تک فضیلت دی گئی ہے۔

☆ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ

ترجمہ: مرد عورتوں پر قوام ہیں۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 34)

☆ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ

ترجمہ: اور مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 228)

لیکن درجات کی اس بلندی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورتوں کے حقوق مردوں پر نہ ہوں گے بلکہ

☆ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ص

ترجمہ: عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 228)

اور اگر مزید آگے بڑھا جائے تو حضور اکرم ﷺ نے تو ماں کے حق کو خدمت کے لحاظ سے باپ کے حق سے بھی مقدم کیا ہے حالانکہ ماں ایک عورت ہے جب کہ باپ ایک مرد ہے۔

اسلامی معاشرہ میں جہاں مرد کو باپ' بیٹا' بھائی اور خاوند ہونے کی حیثیتیں حاصل ہیں' وہاں عورت کو بھی ماں' بیٹی' بہن اور بیوی ہونے کی حیثیتیں حاصل ہیں۔ جہاں مرد کو باپ' بیٹا' بھائی اور خاوند ہونے کی حیثیت سے کچھ حقوق حاصل ہوتے ہیں' وہاں عورت کو بھی ماں' بیٹی' بہن اور بیوی ہونے کی حیثیت سے کچھ حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ اس لیے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ درجات کی معمولی تفاوت کے علاوہ اسلامی معاشرہ میں مرد اور عورت کو تقریباً یکساں حیثیت حاصل ہے۔

اسلامی معاشرہ میں مرد اور عورت کا کردار

قرآن حکیم نے ایک مقام پر مردوں اور عورتوں کی اچھی صفات گنوائی ہیں اور کہا ہے کہ اللہ نے ان صفات کے حامل مردوں اور

عورتوں کے لیے مغفرت اور بڑا اجر رکھا ہے۔ اسلامی معاشرہ میں مرد اور عورت کے کردار کے سلسلہ میں ہم بجا طور پر ان صفات کا ذکر کر سکتے ہیں اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کا بہترین کردار معاشرہ میں ان صفات کے مطابق ہی ہو سکتا ہے۔ جن مردوں اور عورتوں میں یہ صفات موجود نہیں وہ معاشرہ میں بہتر کردار ادا نہیں کر سکتے۔ قرآن حکیم نے ان صفات کا اس طرح سے ذکر کیا ہے:

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

ترجمہ: بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور مطیع فرمان مرد اور مطیع فرمان عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صابر مرد اور صابر عورتیں اور اللہ کے آگے جھکنے والے مرد اور اللہ کے آگے جھکنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور عورتیں ان سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔ (سورۃ الاحزاب آیت نمبر 35)

یہ وہ صفات ہیں جو کہ ایک اسلامی معاشرہ کے مردوں اور عورتوں کا کردار ہونی چاہئیں۔ انہیں سچا مسلمان ہونا چاہیے انہیں پختہ ایمان والا ہونا چاہیے۔ اس سے وہ اپنے دوسرے مسلمان اور مومن بھائیوں کے لیے خیر خواہی کے جذبات رکھیں گے اور معاشرہ میں نکھار پیدا ہوگا۔ انہیں اللہ رب العزت کا مطیع فرمان ہونا چاہیے۔ جب وہ اللہ رب العزت کے مطیع فرمان ہوں گے تو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف توجہ کریں گے اور جب حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا احساس معاشرہ میں پیدا ہو جائے تو معاشرہ خوبصورت بنے گا۔ انہیں سچا ہونا چاہیے۔ اگر سچ ان کا شعار نہ ہوگا تو وہ اپنا اعتماد کھو دیں گے اور معاشرہ میں بداعتمادی کا ماحول پیدا ہو جائے گا جو کہ ایک خوبصورت معاشرہ کی صفت نہیں ہو سکتا بلکہ بداعتمادی کے ماحول والا معاشرہ ایک برا معاشرہ ہی کہلا سکتا ہے۔ انہیں صابر ہونا چاہیے۔ صابر نہ ہوں گے اور معمولی معمولی تکالیف پر گھبرا اٹھیں گے تو یہ ایک خوفزدہ معاشرہ بن جائے گا یا اگر وہ اپنے مصائب پر صبر نہ کرتے ہوئے واویلا اور چیخ و پکار شروع کر دیں گے تو یہ ایک چڑچڑا معاشرہ بن جائے گا اور ایک خوفزدہ یا چڑچڑے معاشرہ کو کسی بھی صورت میں پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ انہیں اللہ کے آگے جھکنے والا ہونا چاہیے۔ جب وہ اللہ کے آگے جھکنے والے ہوں گے تو یہ چیز انہیں معاصی سے روکے گی اور جب افراد معاشرہ معاصی سے اجتناب کرنے والے ہوں گے تو معاشرہ میں سدھار پیدا ہوگا۔ انہیں صدقات و خیرات کرنے والا ہونا چاہیے۔ اگر معاشرہ کے افراد میں صدقات و خیرات کا جذبہ پیدا ہو جائے تو باہمی تعاون کی فضا پیدا ہوگی جو کہ ایک اچھے معاشرہ کے لیے نہایت ضروری ہے۔ انہیں روزے رکھنے والا ہونا چاہیے۔ جب وہ روزہ رکھنے والے ہوں گے تو ممنوعات سے اجتناب کریں گے اور معاشرہ پاکیزہ ہو جائے گا۔ انہیں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والا ہونا چاہیے۔ اگر وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے نہ ہوں گے تو معاشرہ میں زنا اور فحاشی و عریانی کا رواج ہوگا اور اس سے معاشرہ میں بگاڑ ہی بگاڑ پیدا ہوگا۔ انہیں اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والا ہونا چاہیے۔ جب وہ اللہ کی یاد میں مگن ہوں گے تو شیطان کے بہکاووں سے محفوظ رہیں گے اور معاشرہ سے شیطانیت ختم ہو جائے گی اور ایک صاف ستھرا معاشرہ پیدا ہوگا۔

مختصر طور پر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی معاشرہ میں مرد اور عورت کا کردار یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنی ذاتی اصلاح، حقوق اللہ کی ادائیگی اور حقوق العباد کی موثر ادائیگی کے ذریعے معاشرہ کی اصلاح کی بھرپور کوشش کریں۔

اسلام میں عورت کا مقام

عورت اور مرد دونوں معاشرہ کی بنیاد ہیں اور عورت کا وجود معاشرہ میں ایک ضروری حیثیت رکھتا ہے۔ کوئی بھی معاشرہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ جو مردوں سے خالی ہو یا عورتوں سے خالی ہو۔ اگر یوں کہیں کہ مرد اور عورت دونوں میں سے کسی ایک کے بغیر بھی معاشرہ وجود میں آسکتا ہے تو یہ کہنا بالکل غلط ہوگا کیونکہ جب تک گاڑی کے یہ دونوں پہیے موجود نہ ہوں' گاڑی چل ہی نہیں سکتی اور جب تک ایک مرد اور ایک عورت کا ملاپ نہ ہو تب تک معاشرہ تو کیا معاشرے کی پہلی اکائی یعنی خاندان بھی نہیں بن سکتا۔ روز اول سے عورت معاشرہ کا ایک لازمی حصہ رہی ہے لیکن معاشرہ میں اس کا مقام کیا رہا ہے اور کیا ہونا چاہیے؟ یہ ایک اہم سوال ہے اور دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ معاشرہ میں اس کا جو صحیح مقام ہونا چاہیے' کیا وہ بھی اسے دیا گیا ہے یا نہیں؟ اور اگر دیا گیا ہے تو وہ کس نے دیا ہے؟ ذیل میں ہم ان نکات پر غور کر رہے ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ کہ معاشرہ میں عورت کا مقام کیا رہا ہے؟ تو اس کے لیے ہمیں تاریخ کی ورق گردانی کرنا ہوگی۔ تاریخ پر نظر کرنے سے ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ اسلام کے علاوہ تقریباً ہر معاشرہ اور ہر مذہب میں عورت کی نزاکت اور اس کے حسن سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا رہا ہے۔ اس کی نزاکت اور کمزوری سے یہ فائدہ اٹھایا جاتا رہا کہ اسے ظلم و جبر کا نشانہ بنایا جاتا رہا اور حقوق سے محروم کیا جاتا رہا اور حسن سے یہ فائدہ اٹھایا جاتا رہا کہ اسے ہوس کا نشانہ بنایا جاتا رہا اور اسے اپنی تسکین کا ذریعہ سمجھا جاتا رہا۔ اس کے علاوہ عورت کو کوئی مقام کبھی نہیں دیا جاتا رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں عورتوں کی آزادی کے نعرے لگائے جاتے ہیں تو ان نعروں کے پیچھے بھی اس کے حسن سے فائدہ اٹھانے کی ہوس کارفرما ہوتی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ کسی جگہ تو اسے بالکل مراعات دیئے بغیر بالجبر ہوس کا نشانہ بنالیا جاتا ہے اور کسی جگہ اسے آزادی کا لالچ دے کر خود بخود عریاں ہونے کی ترغیب دی جاتی ہے اور جب وہ آزادی کے دلفریب نعرے کے دھوکے میں آکر عریاں ہو جاتی ہے تو اسے خوب ہوس کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اب اس ہوس پر چونکہ ایک خوبصورت رنگ چڑھ چکا ہوتا ہے' اس لیے اس کو معیوب سمجھنے کی بجائے جدید تہذیب اور وسعت نظری کہا جاتا ہے۔

اگر بغور مشاہدہ کیا جائے تو یہ محسوس ہوگا کہ ہمیشہ عورت کو شروع میں حقوق سے محروم رکھتے ہوئے بالجبر ہوس کا نشانہ بنایا جاتا رہا لیکن جب یہ محسوس کیا گیا کہ اسے معیوب سمجھا جارہا ہے تو اب دوسرا راستہ یہ اختیار کیا گیا کہ اسے کچھ مراعات دے گئیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے آزادی نسواں کا نعرہ دے دیا گیا اور اس کے ذریعے اسے خود بخود عریاں ہونے پر آمادہ کرلیا گیا اور معیوب ولاطعن بھی ہٹ گیا' ہوس بھی پوری ہوگئی۔

روما کی قدیم تہذیب میں عورت انتہائی محکوم تھی۔ اسے کسی قسم کے کوئی اختیارات حاصل نہ تھے۔ مرد اسے قتل بھی کر دیتا تو یہ جرم نہ تھا۔ یہ ہمسری تہذیب میں عورتوں کی خرید و فروخت عام تھی۔ کثرت ازدواج پر کوئی پابندی نہ تھی۔ مرد جس قدر چاہتا شادیاں کرتا۔ ایرانی معاشرہ کی حالت تو عورت کے معاملہ میں انتہائی گری ہوئی تھی۔ سگی بیٹی اور سگی بہن سے بھی نکاح جائز تھا۔ عورتوں کو رہبانیت اختیار کرنے پر زور دیا جاتا۔ بیویوں میں بھی تقسیم تھی۔ دو قسم کی بیویاں ہوتی تھیں اور ان میں سے ایک قسم کی بیویاں وراثت سے بھی محروم قرار دے دی گئی تھیں۔ ہندوستان میں بھی عورت کا مقام انتہائی رذیل تھا۔ خاوند کی موت کے بعد بیوی کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہ تھا' خاوند کی میت کے ساتھ ہی اسے بھی زندہ جلا دیا جاتا۔ مصر میں بھی ایران کی طرح سگی بہن اور سگی بیٹی کے ساتھ نکاح معیوب نہ تھا۔ یونان کے فلاسفہ اگرچہ عورت کے حق میں آواز اٹھاتے نظر آتے تھے لیکن یہ صرف زبانی آواز تھی' عملاً یہاں بھی عورت پر مظالم روا تھے اور عورتیں حقوق سے محروم تھیں۔ چین میں البتہ عورتوں کو کسی حد تک حقوق حاصل تھے لیکن جس قدر حقوق ہونے چاہئیں' اس قدر نہیں تھے۔ عرب معاشرہ جہاں بعد میں اسلام کا ظہور ہوا' وہاں عورت کی حالت انتہائی بری تھی۔ بیٹی کو زندہ دفن کر دینا عام معمول تھا۔ عورتوں کے نام لے لے کر ان کے جسم کے مختلف اعضاء کی تعریف اور اس تعریف میں انتہائی فحش الفاظ کا استعمال اشعار میں کیا جاتا۔ اس حد تک کہ جس ''محبوبہ'' کے حق میں یہ تعریف کی جاتی' وہ بے چاری شرم سے اپنا چہرہ چھپاتی پھرتی۔

مختلف علاقائی معاشروں کی اس حالت کے علاوہ مختلف مذاہب میں بھی عورت کا مقام نہایت ناگفتہ بہ تھا۔ ہندومت میں عورت کا

جو مقام تھا وہ ہم ہندوستانی معاشرہ کے ذیل میں ذکر کر چکے ہیں۔ یہودیت میں عورت کو گناہ کا ذمہ دار قرار دیا گیا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو بہکانے والی ان کے خیال میں ایک عورت تھی اور اس کا یہ گناہ نسل در نسل عورتوں میں منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اگر کوئی مرد کسی عورت سے زنا بالجبر کرے تو اس کی سزا یہ رکھی گئی کہ اس عورت کی اس کے ساتھ شادی کردی جائے۔ ایک تو عورت پہلے ہی جبری طور پر زیادتی کا نشانہ بنی ہو اور اس پر مستزاد یہ کہ اسے ہمیشہ کے لیے اسی آدمی کے سپرد کردیا جائے جو پہلے ہی اس کی عصمت دری کر چکا ہے۔ اس طرح یہ سہولت پیدا ہونا ایک یقینی امر تھا کہ اگر ایک عورت کسی آدمی کو ناپسند کرتی ہے اور اس کے پیغام نکاح کو مسترد کرتی ہے تو اب مرد اسے زبردستی ہوس کا نشانہ بنا کر اس پر اپنا حق جتا سکتا ہے خواہ وہ بے چاری اس سے کتنی ہی متنفر کیوں نہ ہو۔ عیسائیت میں بھی عورت کو نسل در نسل گناہ کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔ عورتوں کو راہبہ بننے کی ترغیب دے کر گرجوں میں لے جایا جاتا اور پھر عوام کے لیے تو وہ عورت مقدس پجارن اور راہبہ ہوتی لیکن پادریوں اور پروہتوں کے لیے اپنی ہوس پوری کرنے کا ایک ہاتھ لگا آسان ذریعہ بن جاتی۔

قدیم دور سے یہی کچھ ہوتا چلا آیا لیکن جب عورت پر اس ظلم اور اس بالجبر ہوس کو آہستہ آہستہ معیوب سمجھنے والی آواز زیادہ بڑھنے لگی تو اب تسکین ہوس کا دوسرا راستہ اختیار کرلیا گیا کہ جو موجودہ دور میں اسلامی معاشرہ کے علاوہ تقریباً ہر جگہ ہی کارفرما ہے۔ اب عورت کو آزادی کا دلفریب نعرہ اور کچھ مراعات دی جارہی ہیں مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کی خوبصورت آواز دی جارہی ہے اور اس طرح عورت کو اپنی مرضی سے خود بخود عریاں ہونے پر آمادہ کرلیا گیا ہے اور ہوس کی بھرپور انداز میں تسکین کی جارہی ہے اور اب یہ سب کچھ معیوب بھی نہیں رہا۔

جب ہم یہ واضح کر چکے کہ اسلامی معاشرہ کے علاوہ ہر جگہ عورت کا مقام کیا رہا ہے؟ تو اب ہم اس طرف آتے ہیں کہ عورت کا مقام کیا ہونا چاہیے؟ کیا یہ مقام اسے کبھی دیا گیا ہے؟ اور اگر دیا گیا ہے تو کس نے دیا ہے؟ ہم یہ کہیں گے کہ عورت کو اس کا صحیح مقام دیا گیا ہے اور اسلام نے دیا ہے۔ اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ اسلام نے عورت کو کیا مقام دیا ہے کہ جس کے متعلق ہم کہہ رہے ہیں کہ یہ ہی اس کا اصل مقام ہے کہ جو اس کا ہونا چاہیے۔

سب سے پہلی چیز جس کا اس سلسلہ میں اسلام داعی ہے وہ یہ ہے کہ بحیثیت انسان اسلامی معاشرہ میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں۔ ان دونوں کی پیدائش احسن انداز میں ہوئی ہے۔ مرد کی پیدائش میں کوئی الگ فضیلت نہیں ہے۔ تمام انسانوں کی پیدائش خواہ وہ مرد ہوں یا عورت کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○

ترجمہ: البتہ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے۔ (سورۃ التین آیت نمبر 4)

یہ نہیں کہا کہ ہم نے مردوں کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے۔ مرد اور عورت اس طرح بھی آپس میں برابر ہیں کہ دونوں کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا گیا ہے۔

☆ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلا دیے۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 1)

آیت مبارکہ میں پہلے مرد اور پہلی عورت کی تخلیق کا ایک خاص امتیاز بتایا جارہا ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق ایک خاص معجزانہ انداز میں ہوئی لیکن باقی سب مردوں اور عورتوں کی تخلیق کا ایک ہی انداز ہے اور سب ایک ہی نفس سے پیدا ہونے میں برابر ہیں۔ مرد یا عورت میں سے کسی کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔

وَ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ

ترجمہ: وہی ہے کہ جس نے ایک ہی نفس سے تم کو پیدا کیا۔ (سورۃ الانعام آیت نمبر 98)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ

ترجمہ: وہ ہی ہے کہ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ (سورۃ الاعراف آیت نمبر 189)

تخلیق میں اور ایک ہی نفس سے پیدا ہونے میں مرد اور عورت کے برابر ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ کریم نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر چہ تمام مرد اور عورتیں بحیثیت انسان برابر ہیں لیکن تقویٰ ایک ایسا معیار ہے کہ جس سے درجات میں تفاوت ہو سکتا ہے لیکن یہ تفاوت ضروری نہیں کہ کسی ایک ہی کے حق میں ہو بلکہ جو بھی متقی ہوگا' وہ بلند درجے والا ہوگا خواہ وہ کوئی مرد ہو اور خواہ کوئی عورت۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ

ترجمہ: لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ (سورۃ الحجرات آیت نمبر 13)

حقوق کے معاملہ میں بھی اسلام مرد اور عورت کو برابر ٹھہراتا ہے۔

وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ص

ترجمہ: عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 228)

البتہ حقوق کے اس ذکر کے بعد اللہ کریم فرماتے ہیں کہ

وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ

ترجمہ: اور مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 228)

اسی طرح دوسرے مقام پر ہے کہ

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ

ترجمہ: مرد عورتوں پر قوام ہیں۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 34)

لیکن یہ درجہ حاصل ہونے یا قوام ہونے سے عورت کی تحقیر نہیں کی جا رہی بلکہ مرد کی صلاحیتوں کے لحاظ سے ایک حقیقت کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ مرد کو اللہ نے ایسی صلاحیتیں عطا کی ہیں جو کہ عورت میں نہیں ہیں اور خاندان کا بوجھ مرد ہی کے کندھوں پر ہوتا ہے' اس لیے مرد کو قوام اور ایک درجہ رکھنے والا قرار دے دیا گیا جیسا کہ آگے وضاحت موجود ہے کہ یہ قوام اس لیے کہا جا رہا ہے کہ

بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ

ترجمہ: اس بناء پر کہ اللہ نے ان میں سے کسی کو کسی پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 34)

تو یہ صرف دنیاوی لحاظ سے ایک درجہ یا فضیلت یا قوام ہونا مرد کو حاصل ہے۔ باقی اللہ کے ہاں تو معیار فضیلت مرد ہونا یا عورت ہونا نہیں ہے بلکہ صرف اور صرف متقی ہونا ہے۔

گویا اسلام میں مرد اور عورت بحیثیت انسان بھی برابر ہیں' بلحاظ تخلیق بھی برابر ہیں اور بلحاظ حقوق بھی برابر ہیں۔ اگر کوئی معیار فضیلت اللہ کے ہاں ہے تو وہ صرف تقویٰ ہے یا دنیاوی لحاظ سے اور صلاحیتوں کے لحاظ سے مرد کو کسی حد تک بلند سمجھا جا سکتا ہے لیکن یہ کوئی حقیقی فضیلت نہیں ہے۔

یہ صحیح معنوں میں مرد کے برابر ہونے اور خصوصاً مرد کے برابر حقوق کی مستحق ہونے کا تصور ہی وہ تصور ہے کہ جس کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ عورت کا صحیح مقام ہے اور یہ مقام عورت کو اسلام نے دیا ہے۔ اسلام نے عورت کو ماں، بہن، بیٹی اور بیوی ہونے کی حیثیت سے جو مقام، جو وقار، جو عظمت، جو عزت، جو شرف اور جو تقدس دیا ہے، وہ کسی دوسرے معاشرے نے نہیں دیا خواہ وہ کوئی علاقائی معاشرہ ہو یا مذہبی اور جس حد تک مناسب حقوق اسلام نے عورت کو دیئے ہیں، کسی اور نے نہیں دیئے اور جس حد تک اور جس انداز میں مناسب آزادی اسلام نے عورت کو دی ہے، کسی اور نے نہیں دی۔ دیگر معاشروں اور تہذیبوں کا کردار یہ رہا ہے کہ اوّل تو عورت کو اختیارات اور حقوق سے بالکل محروم کیا گیا اور اسے جنسی ہوس کا نشانہ بنایا گیا اور پھر بعد میں آزادی کا نعرہ دے کر اگرچہ اسے کچھ مراعات تو دے دی گئیں لیکن اس کی ناموس، اس کی عزت، اس کی عفت اور اس کی عصمت کو مزید پامال کیا جانے لگا۔

نئی نسل کی تعمیر سیرت میں مرد اور عورت کا کردار

نئی نسل یا دوسرے لفظوں میں بچوں کی تعمیر سیرت ایک انتہائی اہم مسئلہ ہے۔ یہی بچے بڑے ہو کر معاشرہ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اگر بچپن میں ان کی اصلاح نہ ہو تو ان کی بدعادات آئندہ چل کر معاشرہ میں خرابی کا باعث بنیں گے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ بچپن میں ہی ان کی اصلاح کی طرف توجہ دی جائے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ معاشرہ کی اصلاح افراد کی اصلاح کے ساتھ ہے اور افراد کی اصلاح جس حد تک بچپن میں ہو سکتی ہے، زندگی کے کسی اور سٹیج پر نہیں ہو سکتی۔ اس لیے معاشرہ کی اصلاح بچے کی اصلاح کے ساتھ ہے۔

ایک بچے کے لیے سب سے پہلی درسگاہ اس کا گھر ہے اور اس کے سب سے پہلے معلم اس کے والدین ہیں۔ اس لیے والدین کو بچوں کی تعمیر سیرت میں اہم کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ انہیں چاہیے کہ اس سلسلے میں محتاط رہیں۔ قرآن حکیم نے بھی بچوں کی اصلاح کی ذمہ داری بڑوں پر ڈالتے ہوئے کہا ہے کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے۔ (سورۃ التحریم آیت نمبر 6)

نئی نسل کی تعمیر سیرت کے لیے مرد و عورت یعنی والدین کو حسب ذیل باتوں کا خیال رکھنا مناسب ہے:

1. بچوں کے سامنے اچھے اخلاق کا مظاہرہ کریں۔
2. بچوں کے سامنے آپس کے جھگڑے وغیرہ ظاہر نہ ہونے دیں۔
3. بچوں کے ساتھ جھوٹ بولنے سے مکمل اجتناب کریں۔
4. بچوں کو عمدہ لٹریچر فراہم کریں۔
5. بہت زیادہ سختی یا بہت زیادہ لاڈ پیار سے اجتناب کریں۔
6. انہیں احساس کمتری کا شکار نہ ہونے دیا جائے۔
7. بچوں کو نیکی کی تلقین کی جائے اور خود بھی اس کا عملی نمونہ پیش کیا جائے۔
8. بچوں کے سامنے اپنی زبان پر مکمل طور پر قابو رکھا جائے۔
9. ان کی غلط حرکت پر مناسب حد تک سرزنش کی جائے۔
10. نہ ہی انہیں بے جا آزادی دی جائے اور نہ ہی بہت زیادہ پابند رکھا جائے۔
11. انہیں احساس تنہائی کا شکار نہ ہونے دیا جائے۔
12. ان کی تعلیم میں ذاتی دلچسپی لی جائے۔
13. ان کی ضروریات کا خیال رکھا جائے۔

14. ان کے کھیل اور پڑھائی وغیرہ کے مناسب اوقات مقرر کیے جائیں۔
15. انہیں صاف ستھرا رکھا جائے۔
16. انہیں مناسب اور متوازن غذا دی جائے۔
17. ان کی صحبت غلط نہ ہونے دی جائے۔
18. ان کی مناسب انداز میں نگرانی رکھی جائے۔

نئی نسل کی کردار سازی میں والدین کا کردار

اس سے قبل ہم ''نئی نسل کی تعمیر سیرت میں مرد اور عورت کا کردار'' کے عنوان سے کسی حد تک بات کر چکے ہیں کہ والدین کو نئی نسل کی تعمیر سیرت کے لئے کن امور کا خیال رکھنا چاہیے' لیکن اس بحث میں ہم نے والدین کے اجتماعی کردار کو ہی مدنظر رکھا تھا۔ ماں اور باپ کے الگ الگ کردار پر بحث نہیں کی تھی۔ ذیل میں ہم نئی نسل کی کردار سازی میں ماں اور باپ کے کردار پر الگ الگ بحث کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں سابقہ بحث کو بھی بہرحال مدنظر رکھنا چاہیے۔

نئی نسل کی کردار سازی میں ماں کا کردار:

ماں کی گود حقیقت میں ایک بچے کے لئے پہلی درس گاہ اور ماں اسکی پہلی معلمہ ہوتی ہے۔ بچے کا ماں کی گود کا دور وہ دور ہے کہ جس کے متعلق ہمارے معاشرے میں عمومی خیال یہ کیا جاتا ہے کہ یہ بالکل نا سمجھی کا دور ہے' لیکن بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ بچہ اس دور میں بھی کچھ محسوسات واحساسات اور جذبات رکھتا ہے۔ اگر بچے میں اس دور میں کچھ بھی محسوسات واحساسات اور جذبات نہ ہوتے تو کبھی اس شیر خوارگی کی عمر کے کسی بچے کو روتے نہ دیکھا جاتا۔ ظاہر ہے کہ جب بچے کو کچھ مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو وہ رونے کے ساتھ اس کا اظہار کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس شیر خوارگی کے دور میں بھی وہ کچھ نہ کچھ محسوسات واحساسات ضرور رکھتا ہے خواہ بالکل معمولی ہی کیوں نہ ہوں۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اس چھوٹی عمر میں بھی بچے کے کچھ محسوسات واحساسات ہیں تو پھر یہ بھی یقین کرنا پڑے گا کہ اس عمر میں بھی بچہ ہر بات کا کچھ نہ کچھ اثر لیتا ہے۔ بچے کا لاشعور اپنے اندر اس اثر کو محفوظ کر لیتا ہے اور یہ اثر اسکی آئندہ زندگی کو متاثر کرتا ہے۔ ایک شیر خوار بچے کو ڈانٹ کے دیکھئے' وہ سہم جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس نے آپ کی ڈانٹ کے اثر کو قبول کیا ہے۔ چونکہ ہم یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ایک شیر خوار بچہ بھی ہر بات کا کچھ نہ کچھ اثر لیتا ہے اور ہمارے پاس اس دعویٰ کے دلائل بھی موجود ہیں تو ہم ایک ماں کو یہ ہدایت کرنا چاہیں گے کہ وہ اس عمر سے ہی بچے کی تربیت کی طرف توجہ دے کیونکہ اس عمر میں بچے کا سب سے زیادہ ماں ہی سے تعلق ہے۔ جونہی بچہ کسی حد تک شعور حاصل کر لے' ماں کو اسکی تربیت کی طرف توجہ بھرپور طریقے سے مبذول کر دینی چاہیے۔

بچے کی تربیت میں ماں کا کردار اس لحاظ سے بہت اہم ہو جاتا ہے کہ بچہ شیر خوارگی سے ہی ماں سے مانوس ہوتا ہے اور شعور کی ابتدائی عمر میں بھی' بلکہ اپنے بچپن کے سارے دور میں وہ عموماً ماں سے ہی سب سے زیادہ مانوس ہوتا ہے۔ باپ تو عموماً کسب رزق کے سلسلہ میں گھر سے باہر رہے گا' لیکن ماں اس کے پاس اکثر اوقات موجود رہے گی۔

امام ربیعہؒ ایک بہت بڑے عالم گزرے ہیں۔ ان کے والد فوجی تھے۔ امام ربیعہؒ کی پیدائش سے کچھ عرصہ قبل انہیں ایک دور کے محاذ پر بھیج دیا گیا۔ گھر سے جاتے ہوئے اپنی بیوی کو تیس ہزار سونے کی اشرفیاں گھر کے اخراجات کے لئے دیں۔ ان کے جانے کے بعد امام ربیعہؒ کی ولادت ہوئی۔ انکی والدہ نے انکی تربیت کا بھرپور اہتمام کیا اور انہیں علم دین کی تعلیم دلوائی۔ اشرفیوں کو انہی کی تعلیم وتربیت پر خرچ کر دیا۔ ان کے والد محاذ سے ستائیس سال بعد واپس آسکے۔ گھر آ کر اپنی بیوی سے اشرفیوں کے متعلق

دریافت کیا تو بیوی نے جواب دیا کہ محفوظ ہیں۔ مسجد میں نماز کے لئے گئے تو دیکھا کہ بیٹا ایک جم غفیر کو حدیث کی تعلیم دے رہا ہے۔ بہت خوشی کے ساتھ گھر واپس آئے اور اپنی بیوی کے سامنے خوشی کا اظہار کیا۔ بیوی نے پوچھا کہ کیا اشرفیاں بہتر ہیں یا یہ نعمت بہتر ہے۔ امام ربیعہؒ کے والد کہنے لگے کہ اس نعمت کے مقابلہ میں اشرفیوں کی کچھ حیثیت نہیں ہے۔ بیوی نے بتلایا کہ میں نے اشرفیوں کو اسی نعمت کے حصول کے لئے خرچ کیا ہے۔ کہنے لگے کہ خدا کی قسم تو نے اشرفیاں ضائع نہیں کیں۔ امام ربیعہؒ باپ کے سایہ سے ایک طویل عرصہ محروم رہے لیکن ماں نے ان کی بہترین تربیت کی۔

تاریخ اسلام کے مطالعہ سے ہمیں ایسی بہت سی عظیم ماؤں سے تعارف حاصل ہوتا ہے کہ جنہوں نے اپنی بھرپور توجہ اپنی اولاد کی تربیت کی طرف مبذول کی اور ان کی اولاد عظمت کی بلندیوں کو پہنچی۔

امام بخاریؒ نے جب حصول علم کے لئے سفر کا ارادہ کیا تو انکی ماں اور بہن نے ہی خرچ کی ذمہ داری لی۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی ماں کی تربیت کا اثر تھا کہ کپڑوں میں سلی ہوئی چالیس اشرفیوں کے متعلق ڈاکوؤں کے سامنے سچ بولا اور ڈاکوؤں کا پورا گروہ تائب ہو گیا۔ ام عاقلہ ایک عظیم ماں تھیں اور اس عظیم ماں نے خود بھی اولاد کی اچھی تربیت کی اور اپنی بیٹی کو بھی رخصتی کے وقت تاکید کی کہ بیٹی! اولاد کی تربیت میں کوتاہی نہ کرنا۔

رحمت عالم ﷺ کا فرمان ہے کہ:

''عورت اپنے خاوند کے گھر میں نگہبان ہے اور اس سے اسکی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

خاوند کے گھر میں ایک عورت کی رعایا میں اسکی اولاد اہم مقام رکھتی ہے اور اس حدیث کی رو سے عورت سے اولاد کے متعلق پوچھ گچھ کی جائے گی اور ظاہر ہے کہ یہ پوچھ گچھ اولاد کی تعلیم وتربیت' اسکی تعمیر سیرت اور کردار سازی ہی کے متعلق ہو گی۔

مولانا عاشق الٰہی بلند شہری لکھتے ہیں کہ:

''عورتوں کی بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنی اولاد کو دین دار بنا دیں اور دوزخ سے بچا دیں۔''

اولاد کو دین دار بنانا یقیناً اچھی تربیت کا ایک نہایت اہم جزو ہے۔

نئی نسل کی کردار سازی میں باپ کا کردار:

باپ ایک خاندان کا سربراہ ہے اور سربراہ کو اپنی سربراہی میں آنے والے ہر فرد کی طرف بھرپور توجہ دینی چاہیے۔ رحمت عالم ﷺ نے اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ:

''آدمی اپنے گھر کا نگہبان ہے اور اس سے اسکی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

اگرچہ اولاد ماں سے زیادہ مانوس ہوتی ہے اور ماں کے سامنے زیادہ وقت گزارتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ باپ اپنی اولاد سے بالکل ہی غافل ہو جائے' بلکہ اولاد کی تربیت کی ذمہ داری ماں کی طرح اس پر بھی ہے اور اس سے بھی اولاد کی تربیت کے متعلق دربار الٰہی میں سوال کیا جائے گا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ بچے کے دل میں عموماً باپ کا رعب اور ڈر ماں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے' اس لئے ایک بچہ اور خاص طور پر بگڑتا ہوا بچہ باپ ہی سے سدھر سکتا ہے' ماں سے نہیں۔

فرمان نبویؐ ہے کہ:

''ہر بچہ اپنی فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے' پھر اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔''

اس فرمانِ نبوی میں اگرچہ ماں اور باپ دونوں کا ذکر ہے لیکن یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ مسلک اپنانے میں عموماً والد کی ہی بچے تقلید کرتے ہیں کیونکہ بنیادی طور پر اس سلسلہ میں باپ کا ہی کردار ہوتا ہے' ماں تو خود باپ کے پیچھے چلنے والی ہوتی ہے۔

بچے کی تربیت میں باپ کو خاص طور پر بچے کی اس فطرت کا خیال رکھنا چاہیے کہ بچہ بڑوں کی اور خصوصاً اپنے باپ کی نقل کرتا ہے۔ چنانچہ باپ کو چاہیے کہ وہ جس نہج پر اپنے بچے کی تربیت کرنا چاہتا ہے' خود اپنا عمل بھی اس کے مطابق بنائے۔

اولاد کی کردار سازی میں باپ کے کردار کے سلسلہ میں ہمیں سورۃ لقمان میں مذکور حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحت مدنظر رکھنا ہوگی۔ حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحت اور قرآن حکیم میں اس کے ذکر ہونے سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ باپ کو چاہیے کہ وہ مناسب انداز میں اپنے بیٹے کو مناسب مواقع پر نصیحت کرتا رہا کرے۔ حضرت لقمان کی جو سب سے پہلی نصیحت قرآن حکیم میں مذکور ہے' وہ یہ ہے کہ:

"اے بیٹے! اللہ کے ساتھ شریک نہ بنا۔ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ نصیحت کی ابتداء توحید کے درس سے ہونی چاہیے' اس لئے الشیخ محمد بن جمیل زینو بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں پہلی بات ہی یہ لکھتے ہیں کہ:

"بچے کو چھوٹی عمر میں ہی کلمہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی صحیح ادائیگی کی تعلیم دینی چاہیے اور جب اسکی عمر بڑی ہو جائے تو مذکورہ کلمہ طیبہ کا یہ معنی و مفہوم اسے ذہن نشین کرانا چاہیے کہ "اللہ کے سوا کائنات میں کوئی سچا معبود نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔"

حضرت لقمان اپنے بیٹے کو یہ بھی نصیحت کرتے ہیں کہ اللہ کریم سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی خواہ وہ رائی کے دانے کے برابر ہو۔ گویا حضرت لقمان بیٹے کے دل میں خشیت الٰہی پیدا کر رہے ہیں۔ حضرت لقمان مزید نصیحت کرتے ہیں کہ:

"اے بیٹے! نماز قائم کر اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روک اور جو مصیبت تم پر آئے اس پر صبر کر۔"

ان الفاظ میں حضرت لقمان اپنے بیٹے کو اعمال حسنہ بجالانے اور پھر ان کو تبلیغ کرنے اور صبر کرنے کی تلقین کر رہے ہیں۔ اس کے بعد تکبر سے بچنے کی نصیحت بھی حضرت لقمان مختلف پیرایوں میں کرتے ہیں کہ:

i- لوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پھلا۔

ii- زمین پر اترا اترا کر نہ چل۔

iii- اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر۔

iv- اپنی آواز کو دھیما کر۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک باپ کو چاہیے کہ وہ مختلف پیرایوں میں اپنی اولاد کو اچھے اعمال اپنانے اور برے اخلاق سے بچنے کی تلقین کرتا رہے۔

☆

اسلام کا نظامِ اخلاق

اسلام نے زندگی کے ہر پہلو کے متعلق اپنی تعلیمات دی ہیں اور اخلاق ایک ایسی چیز ہے جو زندگی کے ہر لمحے میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس انتہائی اہم چیز کے متعلق بھی اسلامی تعلیمات موجود ہونی چاہئیں اور صحیح یہ ہے کہ موجود ہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم اخلاقیات کے متعلق اسلامی تعلیمات یا دوسرے لفظوں میں اسلام کے نظام اخلاق پر نظر کریں' ضروری محسوس ہوتا ہے کہ پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ اخلاق اصل میں کیا ہے؟

تصورِ اخلاق:

انسان کو مدنی الطبع اور معاشرتی حیوان کہا جاتا ہے اور یہ فطری طور پر معاشرت پسند ہے۔ معاشرت پسندی اس کی فطرت بھی ہے اور ضرورت بھی۔ معاشرت کا اختیار کرنا عقل کا تقاضا بھی ہے اور جامع' کامل' مکمل' خوبصورت اور بہترین مذہب اسلام بھی اس کو اچھی معاشرت کی ترغیب دیتا ہے۔ جب انسان کو ایک معاشرہ میں رہنا ہے تو معاشرہ میں رہتے ہوئے وہ رہبانیت نہیں اختیار کر سکتا اور سب سے کٹ کر اور تعلقات منقطع کر کے نہیں بیٹھ سکتا۔ اسے دوسروں سے تعلقات رکھنے ہوں گے' روابط رکھنے ہوں گے اور اسے دوسروں کے ساتھ واسطہ پڑے گا یا یوں کہہ لیجیے کہ اسے دوسروں سے ''نباہ'' کرنا ہوگا۔ یہ ''نباہ'' اچھا اور خوبصورت بھی ہو سکتا ہے اور برا اور کتنی بھرا بھی ہو سکتا ہے۔ ''نباہ'' کے لیے اسے دوسروں کے ساتھ مختلف معاملات میں اپنا ایک خاص کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔ اگر معاملات میں اس کا یہ کردار اچھا ہوگا تو ایک ''اچھا نباہ'' ہوگا اور اگر اس کا یہ کردار اچھا نہیں ہوگا تو اس صورت میں ایک ''برا نباہ'' ہوگا۔ اگر ہم صحیح الفاظ میں تعبیر کریں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان کا ''نباہ'' کرنے کے لیے دوسروں کے ساتھ معاملات میں جو کردار ہے' وہی اس کا اخلاق ہے۔ اگر وہ اچھا کردار ادا کرتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا اخلاق اچھا ہے اور اگر وہ برا اور گھٹیا کردار ادا کرتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا اخلاق برا ہے۔ کسی حد تک ہم انسان کی فطرت اور اس کی سرشت کو اس کے اخلاق کا نام دے سکتے ہیں۔ اچھی فطرت اور سرشت والا اچھے اخلاق سے متصف ہوگا اور بری فطرت اور سرشت والا برے اخلاق کی صفت کا حامل ہوگا۔

اخلاق کے ساتھ ساتھ ایک چیز علم اخلاق بھی ہے۔ اس سے پہلے ہم نے اخلاق کی جو وضاحت کی ہے اس کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو علم دوسروں کے ساتھ معاملات میں انسان کے کردار کی اچھائی اور برائی کو واضح کرے' وہ علم اخلاق ہے۔ انسان کے دوسروں کے ساتھ معاملات اور تعلقات کوئی آج سے شروع نہیں ہوئے بلکہ یہ تعلقات اس دن سے شروع ہو چکے تھے کہ جب دو انسان دنیا میں آ چکے اور تعلقات میں اچھائی اور برائی بھی کوئی آج پیدا نہیں ہوئی بلکہ یہ بھی شروع دن سے موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ تعلقات کی یہ اچھائی یا برائی آپس میں ادا کیے جانے والے اچھے یا برے کردار کا نتیجہ ہے یا دوسرے لفظوں میں اچھے اور برے اخلاق کی وجہ سے ہے۔ جب اخلاق اور اس کی اچھائی اور برائی کا تصور شروع دن سے موجود ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ علم اخلاق بھی شروع دن سے موجود ہے۔ البتہ پہلے دن سے اس کا منضبط شکل میں موجود نہ ہونا' الگ بات ہے۔ منضبط شکل میں علم اخلاق موجود نہ تھا تب بھی بہرحال علم اخلاق کا تصور ضرور موجود تھا۔ خواہ اس کو اس وقت علم بھی نہ قرار دیا گیا ہو اور کوئی نام بھی نہ دیا گیا ہو۔ روزِ اول سے ضمیر انسان میں موجود رہا ہے جو کہ معاملات میں اس کے اچھے کردار پر مطمئن ہوتا ہے اور برے کردار پر ایک خلش پیدا کر دیتا ہے۔ ضمیر کا یہ اطمینان اور خلش علم اخلاق کی پہلی بنیاد ہے۔

تہذیب اخلاق کے لیے وضع کردہ اسلامی اصول

کائنات نہایت وسیع و عریض ہے۔ اس کی وسعتوں کا اندازہ انسان کی محدود سوچ سے باہر ہے۔ ہمارا نظامِ شمسی جو کہ سورج اور اس کے گرد گھومنے والے نو سیاروں اور ان کے چاندوں کے علاوہ لاتعداد شہابِ ثاقب اور دم دار ستاروں پر مشتمل ہے' یہ ایک بڑی کہکشاں کا حصہ ہے۔ سورج اس کہکشاں کا صرف ایک ستارہ ہے کہ جو اتنا بڑا نظامِ شمسی رکھتا ہے۔ بقول جارج گیمو ہماری اس کہکشاں میں ایک کھرب ستارے

موجود ہیں۔ ان ایک کھرب ستاروں میں سے اربوں ایسے ہیں کہ جو سورج ہی کی طرح اپنے اپنے نظام رکھتے ہیں۔ ہماری یہ کہکشاں ایک پہیے کی طرح گول ہے کہ جس کا قطر ایک لاکھ بیس ہزار (1,20,000) نوری سال ہے۔ ایک نوری سال سے مراد اتنا فاصلہ ہوتا ہے کہ جتنا فاصلہ روشنی ایک سال میں طے کرتی ہے، جب کہ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل (1,86,000) فی سیکنڈ ہے۔ کائنات میں اس طرح کی اربوں کھربوں کہکشائیں موجود ہیں کہ جنہوں نے اسی طرح کائنات کی وسعتوں کے بہت بڑے بڑے حصے گھیر رکھے ہیں اور اس پر مزید یہ کہ یہ تمام کہکشائیں آپس میں ہوشربا فاصلوں کی دوری پر واقع ہیں۔ ہماری کہکشاں سے قریب ترین کہکشاں "مراۃ مسلسلہ" کا ہماری کہکشاں سے تقریباً دس لاکھ (10,00,000) نوری سال کا فاصلہ ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ باقی کہکشائیں ہم سے کتنی دور ہوں گی اور انہوں نے کتنی جگہ گھیر رکھی ہوگی۔ اس ساری تفصیل کو مدنظر رکھتے ہوئے ذرا کائنات کی وسعتوں کا اندازہ کیجیے اور پھر کائنات کی وسعتوں کا اندازہ کرتے ہوئے اس کے مقابلہ میں زمین کی حیثیت کا اندازہ کیجیے۔ سمندر کے مقابلہ میں ایک بوند کی حیثیت بھی اسے حاصل نہیں ہے۔ پھر یہ خیال کیجیے کہ اس چھوٹی اور معمولی سی زمین پر موجود مخلوقات کے ایک جم غفیر کے مقابلہ میں ایک انسان کی وجودی حیثیت کیا ہوگی۔ یعنی وجود کے لحاظ سے اس وسیع وعریض کائنات میں انسان کی حیثیت ایک صحرا کے مقابلہ میں ایک ذرے کے ہزارویں حصے جتنی بھی نہیں ہے۔

دوسری طرف یہ خیال کیجیے کہ اتنی کمتر حیثیت کے باوجود اللہ کریم نے انسان کو ایک خاص اہمیت دی ہے۔ اسے اشرف المخلوقات قرار دیا ہے، اسے خلیفۃ فی الارض کہا ہے۔ اس کی تخلیق میں ایک امتیاز رکھا ہے، اس کی ضروریات پیدا کی ہیں، کائنات کو اس کے لیے مسخر کیا ہے۔ یہ سب کیوں ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ اہمیت انسان کو اس کے کسی خاص امتیاز کی بناء پر دی گئی ہے اور اگر انسان اپنے اس امتیاز کو برقرار نہ رکھے تو یہ بہت بڑا کفران نعمت ہوگا۔ پھر انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا اور انسان کی اس حیثیت اور اہمیت کا خاتمہ ہو جائے گا جو اللہ کریم نے اسے دی ہے۔

ہمیں یہ بھی خیال کرنا چاہیے کہ جب انسان کو ایک خاص حیثیت کے ساتھ تخلیق کیا گیا ہے تو اس کی تخلیق کا یقیناً کوئی اعلیٰ مقصد بھی ہوگا اور وہ مقصد خود خالق نے بتلایا ہے کہ عبادت ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ٥

ترجمہ: میں نے جنوں اور انسانوں کو اس کے سوا کسی لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری بندگی کریں۔ (سورۃ الذریٰت آیت نمبر 56)

یوں کہہ لیجیے کہ کچھ فرائض کی احسن انداز میں بجا آوری ہے جو کہ انسان کی تخلیق کا مقصد ہے اور اس کی وجہ امتیاز ہے۔ اسلام ان فرائض کی بجا آوری کی ترغیب دیتا ہے اور ان میں دوسروں کے ساتھ معاملات کی اچھائی نہایت اہم ہے۔ اگر ان فرائض کی بجا آوری ہو اور دوسروں کے ساتھ معاملات میں اچھا کردار ادا ہو تو انسان اعلیٰ حیثیت اور شرف رکھتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو انسان کفران نعمت کا مرتکب ہوگا۔ اس میں اور حیوان میں کوئی فرق نہ رہے گا اور اس کی اس اہمیت، حیثیت، شرف اور امتیاز کا خاتمہ ہو جائے گا جو اسے اللہ رب العزت کی طرف سے حاصل ہوا ہے۔ اسی وجہ سے دنیا کو دارالامتحان قرار دیا گیا ہے اور آخرت کا تصور دیا گیا ہے۔ اپنے شرف کا تحفظ، دنیا کا دارالامتحان ہونا اور آخرت کی جوابدہی کا تصور، یہ وہ بنیادیں ہیں جو انسان کی تہذیب اخلاق میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اسلام انسان کو یہ سوچ دیتا ہے کہ بداخلاقی اس کے شرف کے خاتمہ اور دنیا و آخرت کی رسوائی کا سبب بن جائے گی۔

اخلاقیات قرآن وحدیث کی روشنی میں:

قرآن حکیم اور حدیث نبوی کا ذخیرہ اخلاقی تعلیمات سے بھرا پڑا ہے۔ ذیل میں ہم اخلاقیات کے متعلق صرف چند ایک آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا ذکر کر رہے ہیں:

آیات قرآنیہ:

☆ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ٥

ترجمہ: اور بے شک آپ اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہیں۔ (سورۃ القلم آیت نمبر 4)

☆ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا

ترجمہ: اور لوگوں سے بھلی بات کہو۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 83)

☆ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ٥

ترجمہ: اور اصلاح کرتا رہ اور بگاڑ پیدا کرنے والوں کے طریقے پر نہ چل۔ (سورۃ الاعراف آیت نمبر 142)

☆ وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ٥

ترجمہ: اور احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کر، بے شک اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔ (سورۃ القصص آیت نمبر 77)

☆ وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا ج فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ط اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ٥

ترجمہ: اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے، بے شک وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ (سورۃ الشوریٰ آیت نمبر 40)

☆ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰہُ لَکُمْ ج

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو جگہ کشادہ کر دیا کرو اللہ تمہیں کشادگی بخشے گا۔ (سورۃ المجادلہ آیت نمبر 11)

☆ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 29)

☆ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ ط

ترجمہ: اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ دیا ہے اس کی تمنا نہ کرو۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 32)

☆ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ ط

ترجمہ: اپنی چال میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز ذرا پست رکھ۔ (سورۃ لقمان آیت نمبر 19)

☆ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ ج وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ط

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم میں سے کوئی گروہ کسی دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے ہو سکتا ہے کہ وہ ان

سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ (سورۃ الحجرات آیت نمبر 11)

☆ وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○

ترجمہ: اور احسان کا طریقہ اختیار کرو بے شک اللہ محسنوں کو پسند کرتا ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 195)

☆ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ○

ترجمہ: اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 205)

☆ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ

ترجمہ: اور آپس کے معاملات میں فیاضی کو نہ بھلاو۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 237)

☆ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۭ

ترجمہ: ایک میٹھا بول اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے کہ جس کے پیچھے دکھ ہو۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 263)

☆ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىھُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ○

ترجمہ: لوگوں کی خفیہ سرگوشیوں میں اکثر و بیشتر کوئی بھلائی نہیں ہوتی۔ مگر یہ کہ کوئی صدقہ و خیرات کی تلقین کرے یا کسی نیک کام کے لیے یا لوگوں کے معاملات میں اصلاح کے لیے سرگوشی ہو، اور جو کوئی اللہ کی رضا جوئی کے لیے ایسا کرے گا پس عنقریب ہم اسے بڑا اجر عطا کریں گے۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 114)

☆ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَــهْرَ بِالسُّوْۗءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ

ترجمہ: اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بدگوئی پر زبان کھولے مگر یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 148)

☆ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ

ترجمہ: اور صلح بہرحال بہتر ہے۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 128)

احادیث نبویہ:

☆ حضور اکرم ﷺ نے اپنے متعلق ارشاد فرمایا کہ
"میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔"

☆ فرمان نبوی ہے کہ
"تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے کہ جو اخلاق میں اچھا ہے۔"

☆ حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ
"ہر اچھی بات کہنے میں صدقہ کا ثواب ہے۔"

☆ حضرت عدیؓ بن حاتم کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے دوزخ کا ذکر کیا اس سے پناہ مانگی اور منہ پھیر لیا، پھر دوزخ کا ذکر کیا اس

سے پناہ مانگی اور منہ پھیر لیا اور پھر فرمایا کہ

"دوزخ سے بچو اگرچہ ایک کھجور کا ٹکڑا (صدقہ میں) دے کر، اور اگر یہ بھی نہ پاؤ تو نرم بات کہنے سے۔"

☆ ایک مرتبہ کچھ یہودی حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے السام علیکم (تم پر ہلاکت ہو)۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں سمجھ گئی کہ یہ سلام کی بجائے ہلاکت کی دعا دے رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے جواب میں کہا کہ وعلیکم السام واللعنۃ (بلکہ تم پر ہلاکت اور لعنت ہو)۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ یہ سن کر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

"ٹھہر عائشہ! بے شک اللہ تعالیٰ ہر کام میں نرمی اور ملائمت کو پسند کرتا ہے۔"

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے سنا نہیں جو انہوں نے کہا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ

"میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ وعلیکم (بلکہ تم پر ہی ہو۔)"

یعنی اس قدر کافی تھا۔ اس میں سختی بھی نہیں ہے اور بددعا کا پلٹنا بھی ہو گیا۔

☆ ایک دفعہ ایک اعرابی مسجد میں پیشاب کرنے بیٹھ گیا۔ صحابہؓ نے دیکھا تو اسے اٹھانے اور مارنے کے لیے لپکے۔ آپؐ نے صحابہؓ کو اس سے منع فرما دیا اور جب وہ پیشاب کر چکا تو آپؐ نے پانی منگوا کر وہاں بہا دیا۔

☆ حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کبھی گالی نہ دیتے نہ بدزبانی یا لعن طعن کرتے۔ اگر کسی بات پر بہت غصہ آتا تو صرف اتنا کہہ دیتے کہ اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔

☆ حضرت ابوذر غفاریؓ کو جب حضور اکرم ﷺ کے اعلان نبوت کی خبر پہنچی تو آپؓ نے اپنے بھائی کو مکہ بھیجا کہ آپؐ کے احوال معلوم کر آئیں۔ انہوں نے واپس آ کر حضرت ابوذر غفاریؓ کو اپنی رپورٹ میں یہ بتایا کہ آپؐ اچھے اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس اچھی رپورٹ پر حضرت ابوذر غفاریؓ نے اسلام قبول کر لیا۔

☆ حضرت عبداللہؓ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ

"مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔"

اسلام کی اخلاقی تعلیمات

اسلام کی اخلاقی تعلیمات کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں: اول اخلاق حسنہ یا اچھے اخلاق کہ جنہیں اپنانے کی اسلام ترغیب دیتا ہے اور انہیں ہم فضائل کا نام دے سکتے ہیں۔ دوم اخلاق سیئہ یا برے اخلاق کہ جن کے ترک کرنے کی اسلام ترغیب دیتا ہے۔ انہیں ہم رذائل کہہ سکتے ہیں۔ یعنی اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں مرکزی حیثیت فضائل کے اپنانے اور رذائل کو ترک کرنے کو حاصل ہے۔ ذیل میں ہم ان فضائل اور رذائل کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

فضائل:

1. صبر:

صبر معاشرہ میں خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر اگر توجہ اور واویلا شروع ہو جائے تو معاشرے کا حسن غارت ہو جاتا ہے۔ اسلام نے بار بار صبر کی تلقین کی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝

ترجمہ: بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (سورۃ البقرۃ آیت نمبر 153)

2. حیا:

حیا بھی ایک معاشرہ کو حسین سے حسین تر بنانے میں نہایت معاون و مددگار ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے حیا کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حیا مومن کے لیے ایک نہایت خوبصورت زیور ہے۔ فرمان نبوی ہے کہ

"حیا تو سراسر بھلائی ہے۔"

3. سچائی:

سچائی انسان کو معتبر بنا دیتی ہے۔ سچے آدمی پر اعتماد اور اعتبار کیا جاتا ہے جب کہ جھوٹا آدمی اپنا اعتماد کھو بیٹھتا ہے۔ قرآن حکیم قیامت کے روز صادقین کے صدق کے نفع بخش ہونے کی یقین دہانی کراتا ہے اور سچوں کا ساتھ دینے کی ترغیب بھی دیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ○

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔ (سورۃ التوبہ آیت نمبر 119)

4. دوسروں کی عزت و آبرو کا خیال:

دوسروں کی عزت و عصمت اور آبرو کا لحاظ اور خیال بھی اخلاق حسنہ یا فضائل میں نہایت اہم ہے۔ اگر آپ دوسروں کی عزت و ناموس اور عصمت و آبرو کا خیال کریں گے تو آپ کی عزت و عصمت کا بھی پاس کیا جائے گا لیکن اگر آپ کسی کی عزت و عصمت کا خیال نہیں کر رہے تو آپ کو یہ توقع بالکل نہیں کرنی چاہیے کہ دوسرے آپ کی عزت و ناموس اور عصمت کا لحاظ کریں گے۔ حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ

"اے لوگو! بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر تمہارے رب سے ملنے تک ایسے ہی حرام ہیں کہ جیسے تمہارے اس مہینے میں تمہارے اس شہر میں تمہارے اس دن کی حرمت ہے۔"

5. عدل:

عدل معاشرہ کے انتظام کو بحال اور برقرار رکھتا ہے۔ اگر عدل کو چھوڑ دیا جائے تو ظلم ہوگا اور جس معاشرہ میں ظلم آ جائے اس میں فساد اور خرابی ہی ہوتی ہے اور بھلائی اس میں سے ختم ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم نے عدل سے کام لینے کو تقویٰ کے قریب قرار دیا ہے۔

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى

ترجمہ: عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ (سورۃ المائدہ آیت نمبر 8)

6. سخاوت:

سخاوت کی وجہ سے جہاں سخی اور فیاض آدمی کی عزت و وقار میں اضافہ ہوتا ہے وہاں سخاوت معاشرہ کے بہت سے مسائل کا حل بھی ہے۔ جس معاشرہ میں سخاوت کا اخلاق عام ہو اس معاشرہ میں باہمی ہمدردی اور غریب پروری یقیناً ہوگی اور جب باہمی ہمدردی اور غریب پروری کے جذبات پیدا ہو جائیں تو معاشرہ میں غربت و افلاس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ حضرت جابر حضور اکرم ﷺ کی سخاوت کا حال بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ سے جب بھی کسی چیز کا سوال کیا گیا آپ نے جواب میں نہ نہیں کی۔

7. امانت:

امانت و دیانت کے بغیر معاشرہ کا انتظام مشکل ہو جاتا ہے۔ انتظام معاشرہ کے حسن و خوبی کے لیے امانت داری نہایت اہم اخلاق ہے۔ اسلام اس کی بھی تاکید کرتا ہے۔

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ

ترجمہ: اگر تم میں سے کوئی شخص دوسرے پر بھروسہ کرے تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے اسے چاہئے کہ امانت ادا کرے۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 283)

8. قول معروف:

اسلام اچھی اور نرم بات کی تلقین کرتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دیں لیکن آپؐ نے فتح حاصل کر لینے کے بعد ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ نہیں کیا۔ قرآن حکیم میٹھی بات کرنے اور درگزر کر جانے کو ایسے صدقہ سے بھی بہتر قرار دیتا ہے کہ جس صدقہ کے بعد احسان جتلا جتلا کر اذیت دی جائے۔ قرآن حکیم بھلی بات کہنے کا حکم دیتا ہے۔

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا

ترجمہ: اور لوگوں سے بھلی بات کہو۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 83)

9. عفو:

عفو و درگزر اور دوسرے کو معاف کر دینے کا جذبہ صلح و آشتی پیدا کرتا ہے اور فساد و خونریزی کا خاتمہ کرتا ہے۔ اسلام عفو کی بھی تلقین کرتا ہے۔

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ط

ترجمہ: اور اگر تم معاف کر دو تو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 237)

10. والدین سے حسن سلوک:

والدین سے حسن سلوک بھی اسلام کے نظام اخلاق یا اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں نہایت اہم ہے۔ قرآن حکیم نے شرک کی نفی کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

ترجمہ: اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 36)

11. اقارب سے حسن سلوک:

رشتہ داروں اور اقارب سے حسن سلوک کی ترغیب بھی قرآن حکیم میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب کے ساتھ ساتھ موجود ہے اور قرآن حکیم نے اقارب کے حقوق کی ادائیگی کی بھی تلقین کی ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ

ترجمہ: اور رشتہ دار کو اس کا حق دو۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 26)

12. بچوں پر شفقت:

اسلام بچوں پر شفقت کا بھی درس دیتا ہے۔ خود حضور اکرم ﷺ بچوں سے محبت اور شفقت کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ حضرت حسنؓ کو بوسہ دے رہے تھے اقرعؓ بن حابس تمیمی پاس کھڑے تھے۔ کہنے لگے کہ آپؐ بچے کو بوسہ دے رہے ہیں میرے دس بیٹے ہیں میں نے کبھی انہیں بوسہ نہیں دیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ

"جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔"

13. بیواؤں اور یتیموں کا احساس:

حضور اکرم ﷺ نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو جوڑتے ہوئے فرمایا کہ

"میں اور یتیموں کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔"

اسی طرح فرمایا کہ

"بیوہ اور مسکین کے لیے کوشش کرنے والا درجہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے برابر ہے یا اس شخص کے برابر ہے جو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو عبادت کرتا ہے۔"

14. غرباء کا خیال:

معاشرہ کے غریب طبقہ کا احساس اور خیال رکھنے کی اسلام نے اس قدر ترغیب دی ہے کہ یہاں تک فرمادیا کہ امراء کے اموال میں سائلین اور محرومین کے لیے ایک مقررہ حق ہے۔ زکوٰۃ کو صرف ایک فریضہ ہی نہیں قرار دیا گیا۔

وَ الَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ۝

ترجمہ: اور وہ لوگ کہ جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک مقرر حق ہے۔ (سورۃ المعارج آیت نمبر 24، 25)

15. جانوروں پر رحم:

انسان تو اشرف المخلوقات ہے لیکن انسان سے ہٹ کر دیگر مخلوقات پر بھی اسلام نے رحم کی ترغیب دی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے دیکھا کہ ایک چڑیا بے چینی سے ادھر ادھر پھدک رہی ہے اور چلا رہی ہے آپؐ نے محسوس کیا کہ اس کے بچے اس سے جدا کر دیئے گئے ہیں۔ آپؐ نے دریافت کیا کہ اس کے بچے کس نے اٹھائے ہیں؟ ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ حضور! میں نے اٹھائے ہیں۔ آپؐ نے انہیں اسی وقت واپس رکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپؐ کے حکم کے مطابق بچے واپس رکھ دیئے گئے۔

16. ہمسایہ کے حقوق کا احترام:

حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ

"جبرئیل برابر مجھ کو ہمسایہ کے ساتھ سلوک کی نصیحت کرتے رہے (یعنی اللہ کے حکم سے) یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ وہ اسے وراثت میں بھی شریک بنادیں گے۔"

17. احسان:

کسی کو اس کے حق سے زیادہ دینا احسان کہلاتا ہے اور یہ بھی محاسن اخلاق میں سے ہے۔ اسلام اس کی بھی ترغیب دیتا ہے۔

وَ اَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

ترجمہ: اور احسان کا طریقہ اختیار کرو بے شک اللہ محسنوں کو پسند کرتا ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 195)

18. ایثار:

کسی کو اس کے حق سے زیادہ دینا احسان کہلاتا ہے اور اگر آدمی کو خود بھی اس چیز کی ضرورت ہو لیکن اس کے باوجود وہ دوسرے کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے ہوئے اپنی چیز دوسرے کو دے دیتا ہے تو یہ ایثار ہوگا اور ظاہر ہے کہ اسلام کی نگاہ میں اس کا درجہ احسان سے بھی بڑھ کر ہوگا۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ

ترجمہ: اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ (سورۃ الحشر آیت نمبر 9)

19. ایفائے عہد:

ایفائے عہد معاشرتی روابط کے استحکام کے لیے نہایت ضروری اخلاق ہے۔ اسلام اس کی ترغیب دیتا ہے اور اس پر باز پرس اور جوابدہی کا تصور بھی دیتا ہے۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝

ترجمہ: اور عہد کی پابندی کرو بے شک عہد کے بارے میں تم کو جوابدہی کرنا ہوگی۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 34)

20. توکل علی اللہ:

اسلام اپنے ماننے والوں کو توکل علی اللہ کی طرف بھی بلاتا ہے۔ جو لوگ اس اخلاق سے متصف ہوں گے وہ مایوسی اور ناامیدی سے بچے رہیں گے اور معاشرہ میں مضبوط کردار ادا کر سکیں گے۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

ترجمہ: اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ (سورۃ آل عمران آیت نمبر 122)

21. مساوات:

اگر افراد معاشرہ مساوات کا اخلاق رکھتے ہوں اور کسی کو اپنے سے کم تر اور گھٹیا نہ سمجھیں تو معاشرہ میں اعلیٰ روایات فروغ پائیں گی۔ اسلام نے مساوات اور برابری کا درس دیا ہے۔ اسلامی نظریہ کے مطابق تمام انسان ایک ہی نفس سے پیدا ہوئے ہیں اس لیے وہ سب بحیثیت انسان برابر ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ

ترجمہ: وہی ہے کہ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ (سورۃ الاعراف آیت نمبر 189)

22. اخوت:

اسلام صرف مساوات اور برابری کا ہی درس نہیں دیتا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ مومنوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ

ترجمہ: سوائے اس کے نہیں کہ مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ (سورۃ الحجرات آیت نمبر 10)

23. نصیحت للخیر:

ایک مسلمان کے اچھے اخلاق میں یہ چیز بھی نہایت اہم ہے کہ وہ دوسروں کو بھلائی کی نصیحت کرتا ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار بناتا ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ

ترجمہ: اور تم میں سے کچھ لوگ ایسے ضرور ہی رہنے چاہئیں جو بھلائی کی طرف بلائیں نیکی کا حکم کریں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ (سورۃ آل عمران آیت نمبر 104)

24. رواداری:

دوسروں کے لیے رواداری کے جذبات رکھنا بھی محاسن اخلاق میں سے ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپس کے تعلقات اور روابط میں خیر خواہی اور حسن سلوک سے کام لیا جائے۔ آپس میں رواداری سے اخوت اور بھائی چارہ پیدا ہوتا ہے۔

25. دردِ دل:

دوسروں کے لیے تڑپ، خلوص اور دردِ دل کے جذبات رکھنا بھی بہترین اخلاق میں اہم حیثیت رکھتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی آپس میں ایک دوسرے سے محبت اور ایک دوسرے کے لیے تڑپ اسلام میں ایسے جذبات کی واضح مثال ہے۔ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کا خطاب صحابہ کرامؓ کو اسی دردِ دل کی وجہ سے عطا ہوا۔

26. رحمت اور ترحم:

جب تک کسی کمزور کے لیے رحمت، شفقت اور ترحم دل میں موجود نہ ہو، اس کمزور کی صحیح اعانت کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اسلام دوسروں کے لیے رحمت و شفقت کے جذبات رکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ فرمان نبویؐ ہے کہ

"جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔"

27. دوسروں کے لیے سہولتیں پیدا کرنا:

اسلام اپنے ماننے والوں کو یہ ترغیب بھی دیتا ہے کہ دوسروں کے لیے آسانی اور سہولت پیدا کریں اور ان کی مشکلات میں معاونت کریں۔ ان کیلئے تنگی اور تکلیف کا باعث نہ بنیں بلکہ فراخی اور کشادگی پیدا کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو جگہ کشادہ کر دیا کرو اللہ تمہیں کشادگی بخشے گا۔ (سورۃ المجادلہ آیت نمبر 11)

يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا کے احکام بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

28. تقویٰ اور خلوص نیت:

سابق میں مذکور تمام محاسن اخلاق کے ساتھ ساتھ اسلام یہ بھی تاکید کرتا ہے کہ تقویٰ، پرہیزگاری اور نیت کی پاکیزگی و خلوص بھی شامل ہونا ضروری ہے۔ اگر بدنیتی اور ریاکاری کے ساتھ ان محاسن کو اپنا بھی لیا گیا تو اسلام کی نظر میں اس کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی اہمیت واقعی ہونی چاہیے۔ خلوص نیت اور تقویٰ کے بغیر اگرچہ ان محاسن کو اپنایا تو جا سکتا ہے لیکن ان سے وہ تاثیر پیدا نہیں ہوتی کہ جو اسلام دیکھنا چاہتا ہے۔ بغیر خلوص اور تقویٰ کے یہ محاسن بے رنگ محسوس ہوں گے۔

رذائل:

1. بخل اور تنگ دلی:

انسان کا بخل اور تنگ دلی انسان کے اخلاق کو فاسد اور گندہ کرتی ہے اور یہ بخل عموماً انسان کی فطرت کا حصہ بن چکا ہے۔

وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُوْرًا۝

ترجمہ: اور انسان بڑا تنگ دل واقع ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 100)

2. جھگڑا اور فساد:

معاشرہ میں رذائل اخلاق میں سے ایک جھگڑا اور فساد بھی ہے۔ معمولی باتوں پر ہاتھا پائی شروع کر دی جاتی ہے۔ اسلام اس کے مقابلہ میں صلح کی دعوت دیتا ہے۔

وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ط

ترجمہ: اور صلح بہرحال بہتر ہے۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 128)

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

''وہ آدمی جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرائے۔''

3. وعدہ خلافی:

وعدہ خلافی کی وجہ سے کئی دفعہ جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اور خاص طور پر وہ آدمی جو وعدہ خلافی اور بدعہدی کو اپنی عادت بنا لے اسے اچھے اخلاق والا نہیں کہا جا سکتا۔ قرآن حکیم ایفائے عہد کی تلقین کرتا ہے اور وعدے پورے کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ط

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو بندشوں کی پوری پابندی کرو۔ (سورۃ المائدہ آیت نمبر 1)

4. تکبر:

غرور و تکبر میں مبتلا انسان دوسروں کو حقیر اور اپنے آپ کو ان سے برتر سمجھتا ہے حالانکہ اللہ کے نزدیک سب انسان برابر ہیں۔ تکبر کرنے والے کی تنکیر میں اللہ کریم فرماتے ہیں کہ

وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ج

ترجمہ: اور زمین میں اکڑ اکڑ کر نہ چل۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 37)

5. عیب جوئی:

خواہ مخواہ ہر کسی میں عیب نکالنا اور اس کی پشت پیچھے لوگوں کے سامنے اس کی برائیاں کرتے رہنا بھی رذائل اخلاق میں سے ہے اور ایسے آدمی کے لیے اللہ نے تباہی ہونے کا کہا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ

ترجمہ: تباہی ہے ہر اس شخص کے لیے جو (منہ در منہ) لوگوں پر طعن اور (پیٹھ پیچھے) ان کی برائیاں کرے۔
(سورۃ الہمزۃ آیت نمبر 1)

6. غیبت:

عیب جوئی عموماً بلا مقصد ہوتی ہے۔ خواہ مخواہ ہی لوگوں کی عادت بنی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کے ہر کام میں کیڑے نکالتے رہتے ہیں لیکن غیبت کا مفہوم عیب جوئی سے ذرا ہٹ کر ہے یہ عموماً اس مقصد کے لیے ہوتی ہے کہ کسی آدمی کو دوسرے سے ذہنی طور پر متنفر کر دیا جائے۔ قرآن حکیم نے اس کی نہایت سخت الفاظ میں مذمت کی ہے۔

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ط اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا
فَكَرِهْتُمُوْهُ ط

ترجمہ: اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے' کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ پس تم اسے ناپسند کرتے ہو۔ (سورۃ الحجرات آیت نمبر 12)

7. جھوٹ:

ہمارے معاشرہ میں جھوٹ بہت عام ہو چکا ہے۔ حقائق کو چھپانا اور غلط صورت حال بتا کر لوگوں کو دھوکہ میں رکھنا' حتی کہ بلا ضرورت بھی جھوٹ بولنا اب اس قدر عام ہو چکا ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تو اس معاشرہ میں اب غالب خیال یہی ہے کہ اس کا یہ کہنا بھی جھوٹ ہی ہوگا۔ قرآن حکیم جھوٹ اور جھوٹی شہادت کی ممانعت کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں عبادالرحمٰن کی صفات ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

وَ الَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ

ترجمہ: اور وہ لوگ کہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ (سورۃ الفرقان آیت نمبر 72)

8. گالی گلوچ:

ہمارے معاشرہ میں رذائل اخلاق میں گالی گلوچ کی انتہائی مرکزی حیثیت بن چکی ہے اور صورت حال اس حد تک بگڑ چکی ہے کہ گالیاں ہمارا تکیہ کلام بن چکی ہیں اور جہاں گالی کی کوئی تک بھی نہ ہو وہاں بھی گالی دی جاتی ہے۔ ہادی کونین ﷺ نے گالی گلوچ اور ناحق لعنت ملامت سے منع فرمایا ہے۔ فرمان رسالت مابؐ ہے کہ

"مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔"

9. بغض و حسد:

حسد اور بغض آدمی کو آہستہ آہستہ اندر ہی اندر ختم کرتے رہتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق حسد آدمی ہی کو ختم نہیں کرتا بلکہ اس کی نیکیوں کو بھی کھا جاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ

"حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے یا یہ فرمایا کہ گھاس کو کھا جاتی ہے۔" (راوی کو صحیح لفظ میں تردد ہے۔)

10. احسان و اذیت:

بعض لوگ کبھی کسی غریب کی اعانت تو کر دیتے ہیں لیکن بعد میں اسے جتلا جتلا کر اس کی زندگی مشکل بنا دیتے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر احسان جتلا کر اسے دکھ دیتے ہیں۔ اسلام اس کی ممانعت کرتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر خاک میں نہ ملا دو۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 264)

11. غصہ:

غصہ معاشرہ میں فساد کا باعث بنتا ہے۔ ایک آدمی نے حضور اکرم ﷺ سے نصیحت کی درخواست کی' آپؐ نے فرمایا کہ

"غصہ نہ کر۔"

اور بار بار اس کے درخواست کرنے پر آپ یہی فرماتے رہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ

"پہلوان وہ نہیں ہے جو (کشتی میں) پچھاڑ دے' بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ میں خود پر قابو رکھے۔"

12. ظلم:

ایک ظالم آدمی معاشرہ کے لیے ناسور ہے۔ اسلام ظلم، جبر اور زیادتی کے سخت خلاف ہے اور ان کی بھرپور ممانعت کرتا ہے۔ قرآن حکیم یہاں تک کہتا ہے کہ

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ٥

ترجمہ: اور اللہ ظالموں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 258)

13. سخت گوئی:

سخت گوئی آپس میں نفرت اور دوری کا باعث بنتی ہے۔ اس سے عداوتیں بڑھتی ہیں۔ اسلام محبت اور اخوت کا دین ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اسے پسند نہیں کرسکتا۔ اسلام میٹھی اور بھلی بات کہنے کی تلقین کرتا ہے۔

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا

ترجمہ: اور لوگوں سے بھلی بات کہو۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 83)

14. خواہشات نفسانی کی پیروی:

رذائل اخلاق میں سے اکثر کی بنیاد خواہشات نفس کی پیروی ہے۔ آدمی نفس کی خواہشات کے تابع ہو کر بہت سی خرابیوں میں گھر جاتا ہے۔ اسلام خواہشات نفسانی کی پیروی کو ناپسند کرتا ہے۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ

ترجمہ: کیا تو نے اس شخص کو دیکھا کہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا الٰہ بنالیا؟ (سورۃ الفرقان آیت نمبر 43)

اسلام کا سیاسی نظام

دور قدیم سے سیاسی نظام اور سیاسی ڈھانچے کا تصور موجود رہا ہے۔ دور جہالت میں خواہ اسے کچھ بھی نام دیا جاتا ہو بلکہ خواہ کوئی نام بھی نہ دیا جاتا ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کا تصور موجود رہا ہے۔ ضروری نہیں کہ کوئی دستوری ڈھانچہ سامنے ہو، ریاست اور فرد کے حقوق و فرائض کا تعین ہو، عدلیہ اور انتظامیہ میں امتیاز کیا جاتا ہو تبھی کوئی سیاسی نظام وجود میں آتا ہے بلکہ ان سب کے بغیر جہاں جاہل اور ان پڑھ قبائل بلکہ خانہ بدوش بدو بھی رہ رہے ہوں، وہ ایک معاشرہ ہوگا۔ خواہ وہ بہت معمولی معاشرتی اقدار کا حامل ہی کیوں نہ ہو۔ جہاں بھی ایک معاشرت موجود ہوگی، خواہ کسی سطح کی بھی ہو، وہاں آپس میں معاملات ہوں گے اور معاملات میں اختلاف ہونا ایک فطری امر ہے تو ظاہر ہے کہ اس اختلاف کا کسی انداز میں فیصلہ بھی کیا جائے گا خواہ کسی پنچائیت کے ذریعے ہو اور خواہ کسی کو قبیلے کا سردار اور سربراہ تسلیم کیا گیا ہو، بہرحال یہ ایک نظام ہوگا جسے ہم سیاسی نظام کا نام دیں گے۔ ہماری اس بحث سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ ہمارے خیال میں سیاسی نظام کی بنیاد صرف اختلافات کا فیصلہ کرنے پر ہے، اسے ہم صرف بطور مثال ذکر کر رہے ہیں۔ ہمارا اصل مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ سیاسی نظام کا تصور ہر علاقہ، ہر قبیلہ، ہر گروہ، ہر قوم، ہر ملک، ہر خطہ اور ہر مقام پر موجود ہے خواہ باقاعدہ دستوری شکل میں اس کی تفصیلات کو تحریر کیا گیا ہو اور خواہ صرف کچھ روایات کو اپنا لیا گیا ہو اور سینہ بہ سینہ زبانی ہی ان روایات کو اگلی نسلوں تک پہنچایا جا رہا ہو۔ جب سیاسی نظام کا تصور ہر طرف اور ہر قوم و مذہب میں موجود ہے تو یقیناً جامع اور کامل دین اسلام نے بھی ہمیں ایک سیاسی نظام دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا سیاسی نظام بالکل منفرد بھی ہے اور سب سے بہترین بھی۔ ذیل میں ہم اسلام کے سیاسی نظام کا ایک مختصر جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

حاکمیت اعلیٰ

کسی بھی سیاسی نظام میں اقتدار اعلیٰ اور حاکمیت اعلیٰ کا تصور نہایت مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ حاکمیت اعلیٰ کے بغیر کسی نظام کا تصور ہی ممکن نہیں ہے۔ حاکمیت اعلیٰ یا اقتدار اعلیٰ کا مفہوم یہ ہے کہ قانون سازی کا اختیار کسی غالب قوت کے ہاتھ میں ہونا۔ مختلف سیاسی نظاموں میں یہ غالب قوت کہیں کسی سردار کو تسلیم کیا گیا ہے اور اس کے فیصلے کو آخری فیصلہ سمجھ لیا گیا ہے' کہیں چند معزز افراد کی مجلس مشاورت کو غالب قوت تسلیم کر لیا گیا ہے' کہیں کسی اسمبلی کو غالب قوت تسلیم کر لیا گیا ہے' کہیں عوام کے چند نمائندوں کو غالب قوت تسلیم کیا گیا ہے' کہیں کسی مذہبی پیشوا کو غالب قوت تسلیم کر لیا گیا ہے اور کہیں عوام کی اجتماعی رائے کو غالب قوت تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن اسلام کا حاکمیت اعلیٰ اور اقتدار اعلیٰ کا تصور سب سے منفرد اور جدا ہے۔ اسلام نے خداوند قدوس کو غالب قوت تسلیم کیا ہے کہ جس کو قانون بنانے کا مکمل اختیار حاصل ہے اور جس کے فیصلے کو آخری فیصلہ قرار دیا گیا ہے۔

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ حاکمیت اعلیٰ یا اقتدار اعلیٰ کا یہ تصور کہ یہ صرف اللہ ہی کے لیے روا ہے' یہ تمام سیاسی نظاموں میں موجود اقتدار اعلیٰ کے تصورات سے بہتر ہے اور اس سے بہتر تصور کوئی ہو بھی نہیں سکتا۔ دیگر سیاسی نظاموں میں اقتدار اعلیٰ اور حاکمیت اعلیٰ کا اختیار بندوں کے پاس ہے خواہ کہیں ایک بندہ اس اختیار کا مالک ہو اور خواہ کہیں چند افراد یا ایک جماعت یا معاشرہ کے تمام افراد ہی اس اختیار کے مالک کیوں نہ ہوں' بہر حال یہ مسلم ہے کہ وہ بندے ہی ہوں گے۔ یہ لوگ ظاہر ہے کہ جو قانون سازی یا فیصلے کریں گے' وہ اپنی عقل کے تابع ہو کر کریں گے۔ گویا دیگر سیاسی نظاموں میں اقتدار اعلیٰ درحقیقت عقل کے لیے تسلیم کیا گیا ہے اور یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ انسانی عقل محدود ہے۔ چنانچہ عقل کے لیے اقتدار اعلیٰ تسلیم کرنا ایک غلطی اور خطا ہی ہو سکتا ہے' اسے درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری چیز یہ بھی ہے کہ بندے اپنی خواہشات پر جس حد تک بھی کنٹرول کر لیں' بہر حال شعوری یا لاشعوری طور پر ان کی خواہشات کسی نہ کسی حد تک ان کے فیصلوں اور ان کی قانون سازی میں ضرور اثر انداز ہوں گی اور ظاہر ہے کہ جو قانون سازی خواہشات نفس کے اثر میں کی گئی ہو' مکمل طور پر قابل اعتماد نہیں ہو سکتی۔ گویا دیگر سیاسی نظاموں میں موجود اقتدار اعلیٰ کے تصور میں دو بڑی خرابیاں ہیں: اول تو یہ کہ محدود عقل کے تابع ہونے کی وجہ سے اس قانون سازی کے درست' مکمل اور جامع ہونے کا یقین نہیں کیا جا سکتا اور دوسرے یہ کہ خواہشات نفس کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے اسے مکمل طور پر پاکیزہ اور غیر جانبدار بھی نہیں قرار دیا جا سکتا۔

بندوں کے پاس اقتدار اعلیٰ اور حاکمیت اعلیٰ کے اس غیر اسلامی تصور کے مقابلہ میں اسلامی تصور یہ ہے کہ حاکمیت اعلیٰ صرف اور صرف اللہ ہی کے لیے روا ہے۔ اس تصور میں خوبی یہ ہے کہ یہ ایک علیم ذات کی قانون سازی کا نظریہ ہے کہ جس کے علم کو محدود نہیں کہا جا سکتا اور جو جانبداری سے بھی پاک ہے۔ اللہ انسان کا خالق ہے اور خالق اپنی مخلوق کے متعلق بہت بہتر جانتا ہے' اسے اپنی مخلوق کی خواہشات کا بھی علم ہے' اس کی فطرت کا بھی علم ہے' اس کی قوت وطاقت کا بھی علم ہے' اس کی ضروریات کا بھی علم ہے اور حقیقت یہ ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کے متعلق اس حد تک علم ہے کہ جس حد تک خود مخلوق کو بھی اپنے متعلق نہیں ہے۔ شاید قارئین اس بات کو عجیب محسوس کریں گے کہ جس حد تک خود انسان بھی اپنے متعلق نہیں جانتا' اللہ رب العزت اس حد تک جانتے ہیں بلکہ حد کی بھی کوئی قید نہیں ہے۔ قارئین یہ خیال کر رہے ہوں گے کہ آخر آدمی اپنے متعلق تو بہر حال سب کچھ جانتا ہے لیکن یہ غلط ہے' انسان اپنے متعلق' اپنی خواہشات' اپنی فطرت' اپنی قوت وطاقت' اپنی صلاحیات اور اپنی ضروریات کے متعلق مکمل علم نہیں رکھتا۔ انسان کی کچھ ایسی خواہشات ہیں جو ابھی اس کے دل میں پیدا نہیں ہوئیں' وہ ان کے متعلق کچھ نہیں جانتا لیکن اللہ رب العزت ان خواہشات کے متعلق بھی جانتے ہیں۔ اللہ رب العزت کو معلوم ہے کہ اس انسان کے دل میں مستقبل میں کون کون سی خواہشات جنم لینے والی ہیں۔ انسان اپنے متعلق کئی دفعہ ایک نظریہ قائم کرتا ہے کہ میری فطرت ایسی ہے' میں اس طرح کا ہوں لیکن بعد میں کئی دفعہ کچھ ایسے حالات سامنے آتے ہیں کہ جب ان میں وہ اپنا کردار ادا کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی فطرت کے متعلق میں نے جو نظریہ قائم کیا تھا' حقیقت اس کے خلاف سامنے آ رہی ہے لیکن اللہ کریم ہر ہر انسان کی فطرت اور سرشت سے بخوبی واقف ہیں۔ انسان کئی دفعہ اپنی قوت وطاقت اور صلاحیتوں کا اندازہ کرتا ہے' مثلاً وہ خیال کرتا ہے کہ فلاں کام میری استطاعت میں ہے اور میں وہ کام کر سکتا ہوں لیکن جب وہ

کرنے لگتا ہے تو اس سے نہیں ہو پاتا یا اسی طرح کبھی وہ کسی مشکل کام کے کرنے سے پہلے مایوس ہوتا ہے کہ یہ مجھ سے نہیں ہوگا' وہ اس حد تک مایوس ہوتا ہے کہ کام چھوڑ کر بیٹھ جاتا ہے کہ یہ مجھ سے نہیں ہونے کا' پھر کوئی آدمی اس کو مجبور کرتا ہے کہ تم یہ کام شروع تو کرو آگے ہو یا نہ ہو۔ اب وہ کام شروع کر دیتا ہے اور صرف مجبوری کے ساتھ شروع کرتا ہے' اس یقین کے ساتھ کہ یہ مجھ سے نہیں ہوگا' لیکن جب شروع کر دیتا ہے تو وہ کام اس سے تکمیل تک پہنچ جاتا ہے' خواہ حالات ناموافق اور ناسازگار ہی کیوں نہ ہوں۔ یعنی اس نے اپنی قوت وطاقت اور صلاحیت کا جو اندازہ کیا تھا' وہ غلط نکلا۔ گویا اس کو خود اپنی قوت وطاقت اور صلاحیت کا بھی صحیح علم نہیں ہے۔ کبھی انسان خیال کرتا ہے کہ فلاں چیز میری ضرورت ہے اور اس کے بغیر میرا گزارہ ممکن نہیں ہے لیکن باوجود کوشش کے وہ چیز حاصل نہیں کر پاتا اور اس کے باوجود گزارہ ہو جاتا ہے اور کبھی آدمی کسی چیز کے متعلق خیال کرتا ہے کہ اس کی مجھے بالکل ضرورت نہیں ہے لیکن تھوڑی دیر بعد ہی وہ اس کی ضرورت شدت سے محسوس کرتا ہے۔ گویا اسے اپنی ضروریات کا بھی صحیح علم نہیں ہے لیکن اللہ کریم ہر ہر انسان کی ضروریات سے مکمل طور پر واقف ہیں۔ چنانچہ ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ انسان خود اپنے متعلق اتنا نہیں جانتا جتنا کہ اس کا خالق اس کے متعلق جانتا ہے اور جب یہ بات واضح ہوگئی تو یہ بھی یقینی بات ہے کہ جب انسان کو خود اپنی خواہشات' اپنی فطرت' اپنی قوت وطاقت' اپنی صلاحیات اور اپنی ضروریات کا بھی پورا علم نہیں ہے تو جو قانون سازی یا جو فیصلے وہ اپنے حق میں کرے گا' ان کا مکمل طور پر درست ہونا یقینی نہیں ہے۔ اس کے برعکس وہ ذات جو انسان کے متعلق سب کچھ مکمل اور یقینی طور پر جانتی ہے' اس ذات کی قانون سازی' اس کے فیصلے اور اس کا بنایا ہوا دستور مکمل' جامع اور بالکل درست وصحیح ہوگا۔ اس میں کسی شک' کسی شبہ اور کسی تردد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

قرآن حکیم کے مطابق اقتدار اعلیٰ اور حاکمیت اعلیٰ صرف اور صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ط

ترجمہ: اور تمہارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو اس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے۔ (سورۃ الشوریٰ آیت نمبر 10)

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ط أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ط

ترجمہ: حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں ہے' اس نے حکم دیا ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو۔ (سورۃ یوسف آیت نمبر 40)

يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ط قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ط

ترجمہ: کہتے ہیں کہ اس کام کے چلانے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے؟ ان سے کہو کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ (سورۃ آل عمران آیت نمبر 154)

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ط

ترجمہ: خبردار رہو اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔ (سورۃ الاعراف آیت نمبر 54)

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ط

ترجمہ: کیا تم جانتے نہیں ہو کہ اللہ اس ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔ (سورۃ المائدہ آیت نمبر 40)

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں پس وہ لوگ کافر ہیں۔ (سورۃ المائدہ آیت نمبر 44)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ٥

ترجمہ: اور جولوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں پس وہ لوگ ظالم ہیں۔ (سورۃ المائدہ آیت نمبر 45)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ٥

ترجمہ: اور جولوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں پس وہ لوگ فاسق ہیں۔ (سورۃ المائدہ آیت نمبر 47)

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا

ترجمہ: اور اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہوسکتا ہے۔ (سورۃ المائدہ آیت نمبر 50)

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ

ترجمہ: اور بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 111)

تصور خلافت

یہ بات واضح ہو چکی کہ اسلامی معاشرہ میں حاکمیت اعلیٰ اور اقتدار اعلیٰ کا اختیار صرف اور صرف اللہ ہی کو حاصل ہے۔ انسان کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے البتہ انسان کو اللہ کریم نے منصب خلافت عطا کیا ہے۔ ذیل میں ہم اسلام کے اس تصور خلافت پر ایک نظر کر رہے ہیں۔

خلیفہ کے مختلف معانی میں سے معروف یہ ہیں: جانشین، قائم مقام، نائب، کسی کے بعد آنے والا وغیرہ۔ قرآن نے انسان کو خلیفہ کہا ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ط

ترجمہ: اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ "میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔" (سورۃ البقرہ آیت نمبر 30)

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا۔ (سورۃ الانعام آیت نمبر 165)

منصب خلافت کسی ایک انسان یا چند انسانوں کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ جمیع انسانیت کے لیے ہے اور خلافت سے مراد کیا ہے؟ اس کے متعلق دو مختلف نظریات ہمیں ملتے ہیں: ایک نظریہ یہ ہے کہ چونکہ خلیفہ کا معنی ہے کسی کے بعد آنے والا اور انسان بھی نسل در نسل ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں' اس لیے انسان کو خلیفہ کہا گیا ہے۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ انسان کو زمین کا نظام چلانے کے لیے کچھ اختیارات دیئے گئے ہیں' اس لیے اس کو خلیفہ کہا گیا ہے۔

دونوں نظریات کے حق میں قوی دلائل موجود ہیں لیکن پہلے نظریہ کے حق میں بہت سی آیات قرآنیہ میں تقریباً صراحت کے ساتھ تائید ملتی ہے اور دوسرے نظریہ کے حق میں صرف استدلال کا سہارا ہے۔ البتہ پہلے نظریہ پر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ نسل در نسل آنے میں تو انسان کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ یہ چیز تو جانوروں اور پرندوں میں بھی موجود ہے تو انسان کو ہی خلیفہ کیوں کہا گیا ہے؟ صرف اسی ایک وجہ سے تو نہیں کہا جاسکتا ورنہ جانوروں اور پرندوں کو بھی خلیفہ کہنا پڑے گا۔ یقیناً کوئی اور وجہِ امتیاز بھی موجود ہے۔

اس مسئلہ کا حل ہم یوں کرتے ہیں کہ دونوں نظریات کو ہم بیک وقت تسلیم کر لیتے ہیں کہ اگرچہ انسان کو خلیفہ نسل بعد نسل آنے کی وجہ سے ہی کہا گیا ہے لیکن دوسری چیز بھی اس کے ساتھ شامل ہو کر وجہِ امتیاز بنتی ہے کہ انسان کسی حد تک با اختیار بھی ہے۔ شیخ القرآن مولانا غلام

اللہ خان کے الفاظ بھی ہمارے اس خیال کی تائید کرتے ہیں۔ وہ دونوں نظریات کا اکٹھا ذکر کرتے ہیں۔ ان کے الفاظ میں:

''خلیفہ اس کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے کے بعد اس کی جگہ اس کے فرائض سنبھالے۔''

گویا وہ کسی دوسرے کے بعد آنے والے نظریہ کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور فرائض سنبھالنے کا ذکر کر کے صاحب اختیار کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے الفاظ اس سلسلہ میں زیادہ واضح ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ

''یعنی ایک قوم یا نسل کو اٹھا لینا اور اس کی جگہ دوسری کو آباد کرنا ہے جو زمین میں مالکانہ اور بادشاہانہ تصرف کرتے ہیں۔''

تصور خلافت کی اس بحث کے آخر میں ہم منصب خلافت کے تقاضوں کی طرف بھی اشارہ کرنا چاہیں گے۔ مولانا مودودی نے چھ امور گنوائے ہیں جنہیں منصب خلافت کا تقاضا قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہم ان امور کا مختصر ذکر کر رہے ہیں:

1. انسان صرف اور صرف خدا کا ماتحت ہے اور صرف اسی کا ماتحت بن کر رہنا چاہیے۔ دیگر مخلوقات انسان کی ماتحت ہیں اس لیے اگر انسان ان میں سے کسی کے آگے جھکنا شروع کر دے تو یہ اس کی ذات کی تذلیل ہے اپنے آپ پر ظلم ہے اور منصب خلافت سے دستبرداری کا اظہار ہے۔
2. نائب کو اپنے آپ کو آقا نہ سمجھ لینا چاہیے بلکہ وہ صرف آقا کا نمائندہ ہے اور جو کچھ اس کے زیر حکم ہے وہ اس پر امین کی حیثیت رکھتا ہے اور خود اس کا اپنا نفس بھی اسی امانت میں شامل ہے۔
3. نائب کے اعمال قوانین الٰہیہ کے مطابق اتفاقاً نہیں ہونے چاہئیں بلکہ قصداً آقا کی رضا کے حصول کے لیے ہونے چاہئیں۔ اگر وہ آقا کا اقتدار اعلیٰ تسلیم نہ کرتے ہوئے ان قوانین پر عمل کر رہا ہے تو وہ اجر کا طالب ہونے کا حقدار نہیں ہے۔
4. نائب کو چاہیے کہ وہ "تخلقوا باخلاق اللّٰہ" کے مطابق صفات الٰہیہ کا صحیح مظہر بننے کی کوشش کرے۔
5. نائب کو یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ وہ صرف اپنی زندگی میں یہ حق خلافت رکھتا ہے اور مرنے کے بعد اس کو اس کے لیے جوابدہ بھی ہونا ہوگا۔
6. نائب کو یہ بھی خیال رکھنا ہوگا کہ نائب ہونے کی حیثیت سے وہ اپنے افعال کا صرف اور صرف خود ذمہ دار ہے۔

مولانا مودودی کے بیان کردہ ان چھ امور میں ہم ذیل کے اہم نکات کا اضافہ کرنا چاہیں گے:

1. نائب یا خلیفہ کل اختیارات کا حامل نہیں ہوتا۔ اس کے اختیارات کچھ حدود میں محدود ہوتے ہیں۔
2. نائب یا خلیفہ خود اپنے احکام لاگو نہیں کرسکتا بلکہ وہ صرف احکامات الٰہیہ کی تشریح و توضیح اور ان کا نفاذ کرنے یا کروانے کا اختیار رکھتا ہے۔
3. خلیفۃ اللہ سے مراد یہ ہرگز نہیں ہے کہ (معاذ اللہ) خدا کی جگہ یا اس کی غیر موجودگی میں انتظام چلانے والا' کیونکہ اس ذات باری کے کسی جگہ غیر موجود ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور وہ اپنے افعال میں قادر مطلق ہے اس کی جگہ اس کے امور کی انجام دہی کسی اور کو کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوسکتی۔

-----☆-----

اسلامی قانون

اسلام میں قانون سازی کا اختیار صرف اور صرف اللہ رب العزت کو ہی حاصل ہے۔ قرآن حکیم حدیث وسنت اجماع امت اور قیاس واجتہاد کو ماخذ شریعت قرار دیا جاتا ہے۔ قرآن حکیم اللہ ہی کی کتاب ہے حدیث وسنت بھی وحی خفی کی راہنمائی ہے اور اللہ کی مرضی کے عین مطابق ہے اور اجماع امت بھی اللہ کی مرضی کے عین مطابق ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ

"میری امت باطل پر جمع نہیں ہو سکتی۔"

گویا جس فیصلے پر بھی امت کا اجماع ہو جائے وہ عنداللہ حق ہوگا باطل نہ ہوگا اور وہ تائید الٰہی کے ساتھ ہوگا۔ قیاس بھی قرآن سنت اور اجماع سے ہی مستنبط ہوتا ہے گویا قوانین اسلامی کے یہ اصول اربعہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔

اسلام میں قانون کی حیثیت بالاتر ہے اور اس کی نظر میں سب برابر ہیں۔ امیر ہو یا غریب شاہ ہو یا گدا آقا ہو یا غلام سرخ ہو یا سیاہ کسی کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جا سکتا۔ ایک غریب اور کمزور آدمی کو اگر کسی الزام کی صورت میں عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہونا پڑتا ہے تو ایک خلیفۂ وقت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے اسے بھی الزام کی صورت میں عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہونا ہوگا۔ چوری خواہ کوئی نیچ ذات کا چمار یا کمی کرے اور خواہ باعزت گھرانے کی فاطمہ مخزومیہ کرے دونوں کے لیے حکم برابر ہے دونوں کا ہاتھ کٹے گا۔ اگر مال غنیمت کی تقسیم میں ایک عام آدمی کو ایک چادر ملتی ہے تو خلیفۂ وقت عمرؓ بھی دو چادریں حاصل کرنے کا اختیار نہیں رکھتا اور اگر عمرؓ کے جسم پر دو چادروں کا کپڑا نظر آ جاتا ہے تو ایک عام آدمی بھی اس کے متعلق استفسار کا حق رکھتا ہے۔ مسلم اور غیر مسلم کا بھی کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اگر ایک بظاہر مسلمان کے مقابلہ میں یہودی حق پر نظر آتا ہے تو فیصلہ یہودی کے حق میں ہی ہوگا اور اگر وہ بظاہر مسلمان نبیؐ کے اس فیصلے کو تسلیم نہ کرے تو عمرؓ کی تلوار بے نیام ہو جاتی ہے۔

اسلامی نظام عدل کے اصول:

1. مساوات:

مساوات کے تحت ہم دو چیزوں کا ذکر کرنا چاہیں گے: اول یہ کہ تمام انسان بحیثیت انسان اور بحیثیت فرد معاشرہ آپس میں برابر ہیں اور دوم یہ کہ سلوک میں بھی مساوات ہونی چاہیے کسی سے کوئی امتیازی سلوک نہیں ہونا چاہیے۔ عدل اور نظام عدل کی حقیقی بنیاد یہی ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ

ترجمہ: وہی ہے کہ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ (سورۃ الاعراف آیت نمبر 189)

وَ إِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ط

ترجمہ: اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو یہ کہ عدل کے ساتھ کرو۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 58)

وَ أُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ط

ترجمہ: اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔ (سورۃ الشوریٰ آیت نمبر 15)

2. حق کے مطابق دینا:

عدل کے متعلق دوسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ حق دار کو اس کے حق کے مطابق دیا جائے۔ اگر کسی کا حق زیادہ بنتا ہو اور اسے کم یا دوسروں کے برابر دیا جائے تو یہ عدل نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی کا حق کم بنتا ہو اور اسے زیادہ یا دوسروں کے برابر دے دیا جائے تو اسے بھی عدل نہیں کہا جائے گا۔ تیسری چیز یہ کہ ظالم کو اس کے ظلم کے مطابق سزا دی جائے۔ اگر ظالم کا ظلم زیادہ ہے اور اسے سزا کم ملتی ہے تو یہ عدل نہیں ہے اور ظالم جتنا کم ہے اور اسے زیادہ سزا دی جاتی ہے تو یہ بھی عدل نہ ہوگا۔

وَ مِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ يَعْدِلُوْنَ٥

ترجمہ: اور ہماری مخلوق میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق کے مطابق ہدایت اور عدل کرتا ہے۔(سورۃ الاعراف آیت نمبر 181)

وَ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ

ترجمہ: اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔(سورۃ الشوریٰ آیت نمبر 40)

3. دشمنی سے اجتناب:

نظام عدل کا ایک بنیادی اصول یہ بھی ہے کہ قاضی یہ خیال کرے کہ

وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ

ترجمہ: اور کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ (سورۃ المائدہ آیت نمبر 8)

4. اقرباء پروری سے اجتناب:

جس طرح یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ دشمنی عدل کے آڑے نہ آئے اسی طرح یہ بھی خیال رکھنا ہوگا کہ اقرباء سے محبت بھی انصاف کی راہ میں حائل نہ ہو۔

وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ

ترجمہ: اور جب بات کہو انصاف کی کہو اگر چہ رشتہ داری (کا معاملہ) ہی کیوں نہ ہو۔(سورۃ الانعام آیت نمبر 152)

5. خواہشات نفسانی سے اجتناب:

خواہشات نفسانی بھی کبھی انصاف اور عدل کی راہ میں حائل ہو جاتی ہیں۔دولت کی خواہش رشوت لے کر بے انصافی کی طرف لے آتی ہے۔نظام عدل کے اصولوں اور بنیادوں میں سے یہ بھی ہے کہ خواہشات نفسانی بھی انسان کو بے انصافی اور عدل سے ہٹنے پر مائل نہ کریں۔

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ

ترجمہ: پس خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو۔(سورۃ النساء آیت نمبر 135)

قاضی کے فرائض:

قاضی کے فرائض میں ہر قسم کے مقدمات کی سماعت اور ان کا فیصلہ کرنا' گواہوں کی جانچ پڑتال اور جرح کرنا' معاملات کی تہہ تک پہنچ کر حقیقت کو سامنے لانا' حق دار کو اس کا حق دلانا' ظالم کے ظلم کو واضح کر کے اس کے لیے سزا تجویز کرنا' جرائم کی روک تھام کے لیے کوشش کرنا اور جرائم پر سزائیں تجویز کرنا' عدلیہ کے احترام کے خلاف کسی بھی اقدام کے متعلق سختی سے نوٹس لینا اور ماتحت علاقوں کے لیے حسب ضرورت ذیلی عدالتیں اور قاضی مقرر کرنا وغیرہ شامل ہے۔

......☆......

امت مسلمہ کا مقصد و منصب اور ذمہ داریاں

امت مسلمہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ آخری نبی کی امت ہے اور اس شریعت کی تابع ہے کہ جو شریعت سابقہ سب شرائع کو منسوخ کرنے والی، پوری دنیا کے لیے قابل عمل، ہر دور کے لیے اور ہر علاقے کے لیے ایک نہایت جامع اور کامل شریعت ہے۔ جہاں رب ذوالجلال نے امت مسلمہ کو یہ عظیم منصب عطا کیا ہے، وہاں اللہ کریم کچھ ذمہ داریوں کے نباہنے کا تقاضا بھی کرتے ہیں۔ اگر ہم بغور جائزہ لیں تو تعلیمات اسلامیہ میں ہمیں امت مسلمہ کی تین اہم ذمہ داریاں محسوس ہوتی ہیں:

1. شریعت کا سمجھنا:

امت مسلمہ کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ جس شریعت کی پیروکاری کی دعویدار ہے اس شریعت کو اچھی طرح سمجھے اور اس کا علم حاصل کرے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ط

ترجمہ: ان سے پوچھو کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں کبھی یکساں ہو سکتے ہیں۔ (سورۃ الزمر آیت نمبر 9)

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط

ترجمہ: سوائے اس کے نہیں کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔ (سورۃ فاطر آیت نمبر 28)

وَ مَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ○

ترجمہ: اور ان کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔ (سورۃ العنکبوت آیت نمبر 43)

ارشاد نبوی ہے کہ

"تم میں سے بہترین وہ ہے کہ جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔"

ایک موقع پر فرمایا کہ

"ایک عالم کی فضیلت ایک عابد پر ایسے ہی ہے کہ جیسے میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ پر۔"

2. شریعت پر عمل کرنا:

شریعت کو سمجھ لینے کے بعد امت مسلمہ کی دوسری بڑی ذمہ داری شریعت پر عمل کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر شریعت پر عمل نہ ہو تو شریعت کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ○

ترجمہ: مگر وہ لوگ کہ جو صبر کرنے والے اور نیک عمل کرنے والے ہیں ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ (سورۃ ھود آیت نمبر 11)

وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ط

ترجمہ: اور (اے پیغمبر ﷺ!) جو لوگ ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں انہیں خوشخبری دے دو کہ ان کے لیے ایسے باغ ہیں کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 25)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا۝

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں تو یقیناً ہم اچھے عمل کرنے والے کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ (سورۃ الکہف آیت نمبر 30)

وَالْعَصْرِ۝ لا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ۝ لا إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ۝ لا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۝

ترجمہ: زمانے کی قسم! بے شک انسان بڑے خسارے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔ (سورۃ العصر آیات نمبر 1'2'3)

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ط

ترجمہ: جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔ (سورۃ الملک آیت نمبر 2)

3. شریعت کو پھیلانا:

شریعت اسلامیہ پوری دنیا کے ہر علاقہ کے لیے اور ہر دور کے لیے ہے۔ نبوت کا سلسلہ خاتم النبیین ﷺ پر ختم ہو چکا تو اب ظاہر ہے کہ جب یہ شریعت ہر دور اور ہر علاقہ کے لیے ہے تو اس کو ہر دور میں ہر علاقہ تک پہنچانے کے لیے کچھ افراد ہونے چاہئیں۔ یہ فریضہ اللہ رب العزت نے امت مسلمہ کے سپرد کیا ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط

ترجمہ: اور تم میں سے کچھ لوگ ایسے ضرور ہی رہنے چاہئیں جو بھلائی کی طرف بلائیں، نیکی کا حکم کریں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ (سورۃ آل عمران آیت نمبر 104)

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ط

ترجمہ: تم وہ بہترین گروہ ہو جسے انسانوں (کی ہدایت) کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ (سورۃ آل عمران آیت نمبر 110)

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

ترجمہ: اور مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔ (سورۃ التوبہ آیت نمبر 71)

اَلَّذِينَ إِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں زکوٰۃ ادا کریں نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں۔ (سورۃ الحج آیت نمبر 41)

اُدْعُ إِلٰى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

ترجمہ: اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔ (سورۃ النحل آیت نمبر 125)

امت مسلمہ کے تنزل کے اسباب اور ترقی کی تجاویز

امت مسلمہ قرون اولیٰ میں عروج و بلندی اور عظمت کے میناروں پر فائز تھی لیکن آہستہ آہستہ یہ پستی کی طرف آتی چلی گئی۔ وہ وقار جو کہ قرون اولیٰ میں اس کو حاصل تھا وہ آہستہ آہستہ ختم ہو گیا۔ ذیل میں ہم یہ جائزہ لے رہے ہیں کہ وہ کون سی چیزیں تھیں کہ جو اس عظیم امت کے تنزل کا سبب بنیں اور اس کے بعد ہم ان تجاویز پر غور کریں گے کہ جن کی مدد سے یہ امت دوبارہ عظمت اور بلندی کی طرف اپنا سفر شروع کر سکتی ہے۔

تنزل کے اسباب:

1. حکام کی نااہلی:

نااہل حکمرانوں کے قبضہ میں حکومت اور خلافت کا چلے جانا مسلمانوں کے تنزل کا بہت بڑا سبب ہے۔ اموی، عباسی اور عثمانی خلفاء میں سے چند ایک قابل اور باصلاحیت تھے اور ان کے ادوار میں اسلام اور عالم اسلام کو ترقی حاصل ہوئی لیکن مجموعی طور پر اگر نظر کی جائے تو چونکہ اکثر حکمران نااہل تھے اس لیے تنزل ہی تنزل ہوتا چلا گیا۔

2. عیش پرستی:

عوام اور حکام ہر دور میں عیش پرستی کا رجحان غالب آ رہا تھا۔ خصوصاً عباسی دور کے آخری خلفاء اور عثمانی خلفاء کی اکثریت عیش پرست تھی۔ عیش پرستی کے اس رجحان نے امت مسلمہ کی توجہ ترقی سے ہٹا دی۔ نتیجہ میں امت تنزل کی طرف مائل ہوتی چلی گئی۔

3. مادیت پسندی:

عیش پرستی کے ساتھ ساتھ مادیت پسندی کا رجحان بھی بڑھ رہا تھا۔ ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ وہ دولت کی دوڑ میں دوسروں سے آگے بڑھ جائے۔ حکام تھے تو وہ دولت سمیٹنے کے چکروں میں نئے نئے ٹیکس لگائے جا رہے تھے۔ عوام تھے تو وہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول کو اپناتے ہوئے حصول دولت کے "جہاد" میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ ایسے حالات میں تنزل و انحطاط یقینی تھا۔

4. غداری:

امت مسلمہ کو تقریباً ہر دور میں میر جعفر اور میر صادق جیسے افراد سے واسطہ پڑا ہے۔ تقریباً ہر نازک مرحلہ پر ان غداروں نے امت کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ ان لوگوں کی غداریاں امت کے تنزل کا ایک بہت بڑا سبب ہیں۔

5. اندرونی خلفشار:

اگر کوئی خلیفہ یا حاکم باصلاحیت آیا تو اسے اندرونی خلفشار نے ہی فرصت نہ دی کہ وہ فتوحات کی طرف توجہ دے سکے۔ چھ صدیوں کی ساری تاریخ اس اندرونی خلفشار سے بھری پڑی ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک خود اپنی صفوں میں انتشار اور خلفشار ہو تب تک عروج و ترقی کی راہ پر گامزن ہونا مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے۔

6. سازشیں:

مختلف مواقع پر خلفاء اور حکمرانوں کو سازشوں کا شکار بھی ہونا پڑا۔ خاص طور پر اگر کوئی اچھا حاکم سامنے آ جاتا تو اس کے خلاف پروپیگنڈہ کا بازار گرم ہو جاتا۔ ان حالات میں ترقی کا سفر ممکن نہیں ہو سکتا تھا۔

7. اندرونی بغاوتیں:

بہت سے خلفاء کو بغاوتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا اور جو طاقت بیرونی فتوحات اور ترقی کے لیے استعمال ہو سکتی تھی وہ اندرونی بغاوتوں

کو کچلنے میں ہی صرف ہوتی رہی۔ اس طرح مختلف مواقع پر سامنے آنے والے باغی لوگ بھی امت مسلمہ کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن کر اسے تنزل کی طرف لانے کا سبب بنے۔

8. علاقائیت:

مختلف طبقوں میں علاقائیت کا زہر بھی پھیل رہا تھا۔ علاقے کی محبت اجتماعی مفادات پر غالب آ رہی تھی۔ علاقے کی محبت میں بہت سے ایسے اقدامات کیے جاتے جو کہ اجتماعی مفاد کے لیے زہر قاتل ثابت ہوتے۔ اس طرح سے علاقائیت بھی امت مسلمہ کے تنزل کا ایک بہت بڑا سبب رہی ہے۔

9. غلط تعلیم و تربیت:

امت مسلمہ کی ترقی کے لیے ضروری تھا کہ تعلیم و تربیت کو اسلامی نہج کے مطابق ڈھالا جائے اور ایسی تعلیم دی جائے جو ذہنوں کو اسلام پر پختہ کرے اور امت مسلمہ کا احساس پیدا کرے لیکن اس سے غفلت برتی گئی۔ نتیجہ کے طور پر امت تنزل کا شکار ہوتی رہی۔ البتہ بہت سے علماء نے بہت اچھے تعلیمی حلقے بھی قائم کیے۔ اس لیے ساری تعلیم و تربیت کو یکسر غلط قرار دینا بہت بڑی زیادتی ہوگی۔ ان علماء کی کاوشیں قابل داد ہیں۔

10. روحانی اقدار سے بےزاری:

امت مسلمہ کے زوال کا ایک بہت بڑا سبب روحانیت سے غفلت بھی ہے۔ جوں جوں امت روحانیت کی برکات سے ہٹتی گئی توں توں تنزل کا شکار ہوتی گئی۔

11. جہاد سے بے رخی:

قرون اولیٰ میں مسلمانوں میں جذبۂ جہاد قابل داد تھا لیکن آہستہ آہستہ یہ جذبہ ماند پڑتا چلا گیا۔ کسی کسی مقام پر کوئی مجاہد خلوص دل سے نصرت دین کے لیے کمربستہ نظر آتا لیکن اکثر جہاد سے بے رخی عام ہوتی گئی۔ جب جہاد سے بے رخی بڑھ گئی تو ظاہر ہے اس صورت حال نے امت کو زوال اور انحطاط ہی کی طرف لے جانا تھا۔

12. حکام کی آپس میں رقابت:

مختلف علاقوں میں جدا جدا خود مختار حکومتیں بن چکی تھیں اور حکام کی آپس میں رقابتیں بھی سامنے آ رہی تھیں۔ اس چیز نے مسلم حکام کو آپس میں ہی دست و گریبان رہنے پر مجبور کر دیا۔ ترکوں کی ایران، مصر اور شام کے ساتھ لڑائیاں اس کی واضح مثال ہیں۔ ان حالات میں سوائے تنزل کے اور کسی راستے پر سفر نہیں ہو سکتا تھا۔

13. اقارب سے نفرت:

ایک بہت بڑا زہر جو کہ امت مسلمہ کے حاکم طبقے میں پھیل چکا تھا، وہ یہ تھا کہ حاکم طبقہ اس خوف میں مبتلا رہتا کہ میرے اقارب، میرے بھائی اور میرے چچا وغیرہ میری خلافت کے متوازی اپنی خلافت کا اعلان نہ کر دیں۔ اس چیز نے اقارب سے نفرت حاکم طبقے میں بھر دی۔ اس حد تک کہ کئی خلفاء تخت نشین ہوتے ہی اپنے ایسے اقارب کے قتل کے احکام جاری کر دیتے کہ جن سے بغاوت کا خدشہ ہوتا۔ اس صورت حال نے آپس کی نفرت اور بے زاری میں انتہا درجے کا اضافہ کر دیا اور آپس کی یہ نفرت امت کے لیے تباہ کن ثابت ہوئی۔

14. غلط فلسفوں کا رواج:

بہت سے غلط نظریات اور فلسفے بھی آہستہ آہستہ دین کا حصہ بنتے چلے گئے۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ یہ غلط نظریات اور فلسفے ایک سازش کے تحت دین کا حصہ بنائے جانے لگے۔ اس روش سے اصل دین کا چہرہ چھپنے لگا اور امت جب اصل دین کو ہی معلوم نہ کر سکے تو

ظاہر ہے زوال پذیر ہی ہوگی۔

15. حد سے بڑھی ہوئی عقیدت:

حد سے بڑھی ہوئی عقیدت کے جذبات نے غلط فلسفوں اور نظریات کو پنپنے میں بڑی مدد دی۔ کسی بزرگ کے حق میں ایک گروہ بن جاتا اور اول اس بزرگ کا مقام بڑھانے اور اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے پر زور ہوتا اور پھر ایک منفی روش یہ اختیار کی جاتی کہ اس کے مقابلہ میں دوسرے بزرگوں کی تحقیر و تذلیل شروع کر دی جاتی۔ اسی طرح دوسرے بزرگ کے چاہنے والے یہی روش اپناتے اور یوں آپس میں فضول کے اختلافات شروع ہو جاتے۔ ان اختلافات کے نتیجہ میں امت تنزل و انحطاط کا شکار ہوتی رہی۔

16. بے جا رسوم و رواج:

بہت سے فضول رسوم و رواج بھی دین کا حصہ بنا دیئے گئے اور عوام کو ان میں الجھا کر اصل دین سے دور کر دیا گیا۔ جب امت مسلمہ دین سے دور ہو کر ان رسوم و رواج پر پختہ ہوتی چلی گئی تو تنزل و انحطاط اور زوال کی راہ ہموار ہوتی چلی گئی۔

17. جہالت:

امت مسلمہ میں خواندگی کی شرح افسوسناک حد تک کم ہوتی چلی گئی حالانکہ اس امت نے ہی علم و عرفان کے حصول کا درس اپنے نبیؐ سے حاصل کیا تھا اور ایک لمبے عرصہ تک یہ امت علم و عرفان کی بلندیوں پر مستقیم رہی لیکن آہستہ آہستہ جہالت عام ہونے لگی اور اس کے ساتھ ہی ترقی کی راہ پر گامزن اس امت کا رخ تنزل کی راہ کی طرف پھر گیا۔

18. عہدے کا لالچ:

مختلف افراد میں عہدے کا لالچ انہیں بہت سے غلط اقدامات پر مجبور کرتا رہا۔ ایسے لوگوں کی یہ روش بھی امت مسلمہ کے زوال کا ایک سبب بن گئی۔

19. فرقہ پرستی:

امت مسلمہ کے زوال کا ایک بہت بڑا سبب فرقہ پرستی بھی ہے۔ خواہشات نفس کی پیروی میں توحید و سنت کی روش کو چھوڑ کر شرک و بدعت کی طرف لوگوں کو مائل کیا گیا۔ جاہل عوام ان ظالم ملاؤں کو حق پر سمجھ کر ان کے پیچھے ہو چلی۔ اس طرح نئے نئے فرقے بنتے رہے اور تنزل اور زوال کا سفر تیز ہوتا گیا۔

ترقی کی تجاویز:

1. اہل اور باصلاحیت افراد کو حکومت کے لیے منتخب کیا جائے۔
2. خواہشات نفسانیہ پر کنٹرول کے درس کو عام کیا جائے۔
3. تعلیمات اسلامیہ کو عام کیا جائے۔
4. اسلامی غیرت و حمیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے۔
5. اتحاد عالم اسلام کا درس عام کیا جائے۔
6. تخریبی ذہن کو تعمیر کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی جائے۔
7. علاقائی اور لسانی عصبیتوں کی حوصلہ شکنی کی جائے۔
8. تعلیمات اسلامیہ کے علاوہ مفید اور بہتر دنیاوی تعلیم کو بھی عام کیا جائے۔
9. عوام کو روحانی اقدار کی طرف مائل کیا جائے۔

10. جذبۂ اخوت کو اجاگر کیا جائے۔
11. اخوت و محبت اور مساوات و خلوص کے جذبات کو عام کرنے کی کوشش کی جائے۔
12. غلط نظریات اور فلسفوں کی نشاندہی کر کے عوام کو ان سے بچنے کی تلقین کی جائے۔
13. شرک و بدعات کے مفسدات سے عوام کو باخبر کیا جائے اور ان سے بچنے کی تلقین کی جائے۔
14. توحید و سنت کی اشاعت میں بھرپور کوشش کی جائے۔
15. توحید و سنت کے حق میں ہونے والی کسی بھی کوشش اور اشاعت توحید و سنت میں مصروف ہر جماعت کا بھرپور ساتھ دیا جائے۔
16. شرک و بدعت کے لیے ہونے والی ہر کوشش اور اشاعت شرک و بدعت میں مصروف ہر گروہ کی سختی سے مخالفت کی جائے اور عوام کو ان کے غلط عزائم اور ان عزائم کے مفسدات سے باخبر کیا جائے۔
17. اندرونی و بیرونی سازشوں سے عوام کو آگاہ کرتے ہوئے ان سے بچنے کی ترغیب دی جائے۔

امت مسلمہ کا اتحاد

اسلام اس وقت دنیا کے گوشے گوشے تک اپنی تعلیمات پہنچا چکا ہے اور اسلام کے پیروکار اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے اس وقت دنیا کے تقریباً ہر ہر ملک میں تھوڑی یا زیادہ تعداد میں موجود ہیں لیکن اس کے باوجود آج امت مسلمہ تنزل کا شکار ہے۔ اس کے دیگر بہت سے اسباب کے علاوہ ایک بہت بڑا سبب بلکہ اگر سب سے بڑا سبب کہیں تب بھی غلط نہ ہوگا یہ ہے کہ آج ملت مسلمہ کی صفوں میں اتحاد و اتفاق مفقود ہے۔ جسد واحد اور بنیان مرصوص کی تعبیریں اپنی حقیقت کھو چکی ہیں۔ اخوت و مواخات جو اسلامی مزاج میں شامل تھے اب عنقا ہو چکے ہیں۔ وہ مسلمان کہ جن کی اخوت کے متعلق یہ امیدیں لگائی جاتی تھیں اور بجا طور پر لگائی جاتی تھیں کہ

اخوت اس کو کہتے ہیں کہ چبھے کانٹا جو کابل میں
تو ہندوستان کا ہر پیر و جوان بیتاب ہو جائے

آج صورت حال یہ ہو چکی ہے کہ کابل میں چبھے کانٹے سے ہندوستانی مسلمان تو کیا بیتاب ہوں گے خود کابل میں موجود اس کا ہمسایہ بھی بے تاب ہو جائے تو بڑی بات ہے بلکہ بے تابی تو بڑی دور کی بات ہے آج تو صورت حال اس قدر سنگین ہو چکی ہے کہ خود مسلمان مسلمان کا گلا کاٹ رہا ہے۔ مسلمان اللہ رب العزت کے اس فرمان کو بھول چکے ہیں کہ

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا

ترجمہ: اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ (سورۃ آل عمران آیت نمبر 103)

اب ہم ان امور کا جائزہ لیتے ہیں کہ اسلامی نظریہ کے مطابق امت مسلمہ کے اتحاد کی بنیاد کیا ہے؟ امت مسلمہ کے اتحاد کے لیے موجودہ صورت حال میں کون سے امور موافقت کر رہے ہیں اور کون سے امور اتحاد امت میں رکاوٹ بن رہے ہیں؟ اور یہ کہ ان رکاوٹوں کو ختم کرنے کے لیے کون سی تجاویز کو بروئے کار لایا جا سکتا ہے؟ نیز وہ کون سا پلیٹ فارم ہے کہ جس پر امت مسلمہ کو متحد کیا جا سکتا ہے؟

اتحاد عالم اسلامی کے لیے تجاویز

موافق اور مخالف امور کا جائزہ لینے کے بعد اب ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے چند ایسی تجاویز پیش کر سکیں کہ جو اتحاد عالم اسلامی کے لیے سازگار ماحول پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوں۔

1. اشاعت و تبلیغ:

اتحاد و اتفاق کی ضرورت و اہمیت کو اشاعت و تبلیغ کے ذریعے عوام میں پھیلانا چاہیے تاکہ یہ شعور مزید بیدار ہو۔

2. جدوجہد آزادی میں معاونت:

آزادی کی جدوجہد میں معروف ممالک کی مدد کے لیے دیگر ممالک کو ایک مشترکہ پالیسی مرتب کرنی چاہیے اور ان کی ہر ممکن معاونت کرنی چاہیے۔

3. خود کفالت:

مسلم ممالک میں قدرتی وسائل اور معدنی ذخائر انتہائی کثرت سے موجود ہیں۔ تمام مسلم ممالک کو چاہیے کہ وہ ان ذخائر اور وسائل سے فائدہ اٹھائیں اور معاشی طور پر خود کفیل ہونے کی کوشش کریں تاکہ انہیں غیر مسلم اقوام کا دست نگر نہ ہونا پڑے۔

4. بنیاد کا شعور:

عوام میں اس شعور کو بھی بیدار کرنے کی ضرورت ہے کہ عالم اسلام کی وحدت کی بنیاد مذہب اور عقیدہ پر ہے نہ کہ رنگ و نسل اور علاقائی تقسیم وغیرہ پر۔

5. جذبۂ ایثار:

تمام مسلم ممالک کو جذبۂ ایثار سے کام لیتے ہوئے مشترکہ پالیسیاں مرتب کرنی چاہئیں۔ اپنی ذاتی فلاح کی بجائے اجتماعی فلاح کی طرف توجہ مبذول کرنے کے جذبہ کو پروان چڑھانے کی ضرورت ہے۔

6. فرقہ واریت کا خاتمہ:

توحید اور سنت اسلام کی بنیاد ہیں جیسا کہ کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے دو حصوں سے ظاہر ہے۔ لا الہ الا اللہ توحید ہے اور محمد رسول اللہ سنت ہے۔ چنانچہ ہر مسلمان کو صرف اس فکر کی اشاعت و تبلیغ کی اجازت ہونی چاہیے جو توحید و سنت کے خلاف نہ ہو اور جو فکر توحید و سنت کے خلاف ہو اُسے فرقہ واریت سمجھ کر دبا دینا چاہیے۔

7. اسلامی تعلیمات کی اشاعت:

توحید و سنت کے مطابق اسلامی تعلیمات کو بھی زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ افراد جو ان سے روگردانی اور تساہل و سستی کے مرتکب ہوتے ہیں اور عدم دلچسپی ظاہر کرتے ہیں ان کی اصلاح ہو سکے لیکن اس اشاعت عام میں یہ خیال کرنا ضروری ہے کہ یہ اشاعت عام توحید و سنت کے خلاف نہ ہونے لگے۔ ایسی صورت میں یہ فرقہ وارانہ اختلاف کا سبب بن جائے گی۔

8. اجتماعی قوت:

تمام مسلم ممالک کو چاہیے کہ وہ دفاع و استحکام کے لیے مشترکہ مساعی کو بروئے کار لاتے ہوئے اجتماعی قوت تشکیل دیں جو کہ مضبوطی اور طاقت کے ساتھ بیرونی سازشوں کا بھی مقابلہ کر سکے اور اقلیتوں اور بڑی طاقتوں کی فساد پرستانہ روش سے بھی نپٹ سکے۔

9. جذبۂ اخوت:

اس سلسلہ میں جذبۂ اخوت کو بھی پروان چڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ باہمی تصادم کی روش کو ختم کیا جا سکے۔

10. اشتراک زبان:

عالم اسلام میں سرکاری طور پر ایک مشترکہ زبان رائج کرنے سے بھی آپس میں کافی قرب پیدا ہو سکتا ہے اور یہ زبان عربی ہو سکتی ہے کہ جو پہلے ہی اکثر اسلامی ممالک کی زبان ہے۔

11. لٹریچر:

ایسا لٹریچر جو کہ باہمی اتحاد و اتفاق اور اخوت و تعاون کی اہمیت کو واضح کرنے والا ہو اُسے ہر اس زبان میں زیادہ سے زیادہ شائع کیا

جانا چاہیے جس زبان کو کسی بھی علاقہ کے مسلمان بولتے ہیں۔

12. مشترکہ تجارتی منڈی کا قیام:

عالم اسلام کی مشترکہ تجارتی منڈی کا قیام بھی اتحاد امت مسلمہ میں بہت مفید اور مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔ اس طرح مسلم ممالک کی آپس میں تقسیم دولت سے معاشی تفاوت میں بھی کمی ممکن ہے۔

13. ثالثی ادارہ:

ایک ایسا بین الاقوامی ثالثی ادارہ تشکیل پانا چاہیے جو کہ مسلم ممالک کے آپس کے اختلافات کا فیصلہ کرے۔

14. ذرائع آمدورفت:

مسلم ممالک کے درمیان ذرائع آمدورفت اور نقل وحمل کو آسان سے آسان تر بنایا جانا چاہیے تاکہ مسلمان آپس میں میل جول سے قلبی لحاظ سے ایک دوسرے کے قریب ہوں۔

15. غریب مسلم ممالک کی امداد:

مالی طور پر مضبوط اور مستحکم مسلم ممالک کو چاہیے کہ وہ غریب مسلم ممالک کی فلاح و بہبود کی طرف بھی خصوصی توجہ دیں۔ اسی طرح مظلوم مسلم ممالک کی امداد بھی دیگر ممالک کو مل جل کر کرنی چاہیے۔

16. مسلم طلبا کا علمی رابطہ:

نوجوان معاشرہ میں ریڑھ کی ہڈی کا کردار ادا کرتے ہیں۔ تمام مسلم ممالک کو چاہیے کہ وہ ایسے انتظامات کریں کہ ان کے ذہین طلباء آپس میں ایک دوسرے سے میل جول بڑھا کر معلومات کا تبادلہ کرسکیں۔ اس طرح نوجوان نسل کی ایک دوسرے سے محبت میں بھی اضافہ ہوگا۔

17. اجتماع حج:

حج کا اجتماع جو کہ عالم اسلام کی ملی وحدت کا آئینہ دار ہے اس میں ایسی سہولیات بہم پہنچائی جانی چاہئیں کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ ایک دوسرے سے میل جول پیدا کرسکیں اور ایک دوسرے کے مسائل کو سمجھ سکیں۔

18. عملاً نفاذ نظام اسلامی:

تمام اسلامی ممالک میں اسلامی نظام کا عملاً نفاذ ہونا چاہیے تاکہ اسلامی وحدت کے قریب ہونے کا موقع زیادہ آسان ہوسکے۔

19. ثقافتی وادبی وفود:

مختلف اسلامی ممالک کے درمیان ثقافتی وادبی وفود کے تبادلے گاہے بگاہے ہوتے رہنے چاہئیں۔

20. اسلامی ممالک کی دولت مشترکہ:

اسلامی ممالک کی دولت مشترکہ کا قیام بھی عالم اسلام کے اتحاد کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اسلامی سیکرٹریٹ کے نام سے موجود اسلامی ممالک کی تنظیم کو بھی وسعت دی جانی چاہیے۔

21. تہذیب اسلامی کا احیاء وفروغ:

مختلف مسلم ممالک کو اپنی تہذیبی وثقافتی اندار کو اسلامی تہذیب میں ڈھالنے کی بھی ضرورت ہے۔ اور پھر یہ مشترکہ تہذیب اسلامی دنیا میں اتحاد کے لیے معاون ثابت ہوگی۔

22. مشترکہ نظام تعلیم:

مختلف مسلم ممالک میں ایک مشترکہ تعلیمی پالیسی کو فروغ دینے کی بھی ضرورت ہے۔ اس طرح سے مشترکہ نظام تعلیم ہونے کے باعث مسلم ممالک کے طلبا بآسانی دیگر مسلم ممالک میں حصول تعلیم کے لیے آ جا سکیں گے اور ایک دوسرے کو سمجھنے میں معاونت ہوگی۔

23. مشترکہ خبر رساں ایجنسی:

عالم اسلام کی ایک مشترکہ خبر رساں ایجنسی ہونی چاہیے کہ جو مختلف ممالک کے حالات و واقعات سے دوسرے مسلم ممالک کو آگاہ کرے۔ اس طرح مختلف مسلم ممالک کے مسائل سے ایک دوسرے کو آگاہی آپس میں تعاون پیدا کرتی ہے۔

24. سربراہی کانفرنسیں:

مسلم ممالک کی سربراہی کانفرنسیں وقفے وقفے سے ہوتی رہنی چاہئیں اور یہ وقفہ کئی کئی سال کا نہیں ہونا چاہیے بلکہ جس قدر کم ممکن ہو بہتر ہے۔

25. مشترکہ رسم الخط:

مختلف زبانوں کے لیے اگر ایک ہی رسم الخط مختلف ممالک میں رائج ہو جائے تو اس سے مختلف زبانیں سمجھنے میں آسانی پیدا ہوگی اور ایک دوسرے کی زبان کے علم سے ایک دوسرے کے مسائل کو سمجھنے اور دوستی بڑھانے میں مدد ملے گی۔

جدید دور میں امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل

دورِ جدید میں امت مسلمہ بہت سے مسائل سے دوچار ہے۔ ذیل میں ہم ان مسائل اور ان کے حل سے متعلق ایک مختصر سا تجزیہ پیش کر رہے ہیں:

مسائل اور ان کا حل:

1. مذاہب باطلہ کی کوششیں:

اسلام کے خلاف دنیا کے دیگر تمام مذاہب مثلاً یہودیت، عیسائیت، ہندومت، بدھ مت، کمیونزم، سوشلزم، دہریت اور مجوسیت وغیرہ کی ہر وقت یہ کوشش ہے کہ اسلام اور اسکی خوبصورت تعلیمات کو دبا دیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ان تمام مذاہب کے "وڈیرے" اپنی سی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ صورتحال اسلام اور اہل اسلام کے لئے ایک نہایت تشویشناک مسئلہ ہے۔

حل:

مذاہب باطلہ کی کوششوں کے آگے بند باندھنے کے لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم علوم اسلامیہ کی زیادہ سے زیادہ ترویج و اشاعت کریں اور ان باطل مذاہب کی تعلیمات سے اسلامی تعلیمات کا موازنہ عوام میں پیش کر کے یہ واضح کریں کہ اسلام ہی صحیح اور سچا مذہب ہے۔ ہمیں اسلام کے دفاع کے لئے کچھ اچھے مناظر بھی پیدا کرنے ہونگے۔ جس طرح کہ موجودہ دور میں احمد دیدات عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کے ایک بہت بڑے مناظر ہیں اور انہوں نے اس سلسلہ میں گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں۔

2. اندرونی فرقہ واریت:

غیر مذاہب کی اسلام کے خلاف کوششوں کے علاوہ موجودہ دور میں مسلمانوں کی اندرونی فرقہ واریت بھی ایک بہت

بڑا مسئلہ ہے۔ ہر مسلک اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے لیکن ہر مسلک کا اپنے آپ کو حق پر سمجھنا تو کوئی تشویش ناک بات نہیں' یہ تو ہر مسلک کا حق ہے' اصل تشویش ناک بات تو یہ ہے کہ ہر مسلک دیگر تمام مسالک کو مکمل طور پر باطل قرار دیتا ہے۔ اس طرح سے آپس میں اختلافات رونما ہوتے ہیں۔

حل:

اندرونی فرقہ وازیت کے خاتمہ کے لئے ضروری ہے کہ اتحاد و یگانگت کے درس کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔ توحید و سنت ایک ایسا پلیٹ فارم ہے کہ جو اسلام کی بنیاد ہے۔ کلمہ طیبہ کے دو حصے توحید اور سنت ہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس پلیٹ فارم پر تمام فرقوں کو جمع کیا جانا چاہیے۔

3. غیر مسلم ممالک کی سرگرمیاں:

دور جدید میں امت ایک اور بہت بڑے مسئلہ سے دوچار ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان ہر جگہ پس رہا ہے۔ غیر مسلم ممالک اپنی مسلم آبادی کو بھی پرسکون نہیں رہنے دیتے اور وہ مسلم ممالک کو بھی آنکھیں دکھاتے ہیں۔ بھارت کے اپنی مسلم آبادی پر مظالم اسکی واضح مثال ہیں۔ علاوہ ازیں بوسنیا' فلسطین' افغانستان' عراق اور کئی دوسرے مسلم علاقے غیر مسلم ممالک کی زد میں ہیں۔

حل:

غیر مسلم ممالک کی ان سرگرمیوں کا واحد علاج جہاد ہے۔ تمام مسلم ممالک کو ایک مشترکہ فوجی قوت تشکیل دینی چاہیے اور ہر ایسے مسلم ملک کی معاونت کرنی چاہیے کہ جو غیر مسلم ممالک کے نشانہ پر ہے۔ نیز جدوجہد آزادی میں مصروف ہر مسلمان مجاہد کی معاونت کرنی چاہیے۔

4. مسلم ممالک کے آپس کے اختلافات:

غیر مسلم ممالک تو مسلمانوں کے دشمن ہیں ہی لیکن بعض مسلم ممالک کی بھی آپس میں چپقلش اور عداوت ہے۔ عراق کا کویت پر حملہ اسکی واضح مثال ہے۔

حل:

آپس کی مخالفتوں کے حل کے لئے اسلامی ممالک کو ایک مشترکہ ثالثی ادارہ تشکیل دینا چاہیے جو آپس کے کسی بھی قسم کے اختلافات کا فیصلہ کرے۔ اسلامی سربراہی کانفرنسوں میں بھی اس مسئلہ پر غور ہونا چاہیے اور آپس کی کدورتیں اور رنجشیں ختم کرنے کی کوشش ہونی چاہیے۔

5. علاقائیت' رنگ ونسل اور لسانی اختلافات:

علاقائیت' رنگ ونسل اور لسانی اختلافات بھی جدید دور میں امت مسلمہ کے لئے ایک بہت بڑا مسئلہ ہیں۔ مختلف مسلم ممالک مختلف براعظموں میں واقع ہیں اور انکی آبادیوں میں آپس میں رنگ ونسل کا بھی اختلاف ہے۔ اسی طرح مسلم ممالک میں بہت ساری زبانیں رائج ہیں جس سے لسانی اختلافات جنم لیتے ہیں۔

حل:

علاقائیت' رنگ ونسل اور لسانی اختلافات جیسے مسائل کا حل یہ ہے کہ اسلام کے صحیح تصور امت کی ترویج واشاعت کی جائے

اور مسلم ممالک کی عوام کو آگاہ کیا جائے کہ علاقے، رنگ و نسل اور زبان کے اختلافات کی اسلام کی نظر میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اسلام کی نظر میں ہر مسلمان خواہ وہ کسی بھی علاقے کا رہنے والا ہو، کسی بھی رنگ و نسل سے تعلق رکھتا ہو اور کوئی بھی زبان بولتا ہو، وہ بہر حال امتِ مسلمہ میں داخل ہے اور اسلام کی نظر میں اسکی حیثیت نہ دوسرے مسلمانوں سے کم ہے اور نہ زیادہ، بلکہ وہ اسلام کی نظر میں باقی مسلمانوں ہی کے برابر ہے۔ ایک مشترکہ زبان کے طور پر عربی کو رواج دیا جا سکتا ہے کیونکہ قرآن حکیم کی زبان ہونے کے لحاظ سے اس پر سب کا اتفاق ممکن ہے۔

6. معاشی عدم استحکام:

اکثر مسلم ممالک میں غربت و افلاس عام ہے۔ موجودہ دور میں یہ بھی امتِ مسلمہ کے لئے ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ علاوہ ازیں مسلم ممالک کا آپس کا معاشی تفاوت بھی وحدت اسلامی کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے کیونکہ امیر ممالک کا خیال ہوتا ہے کہ غریب ممالک کے ساتھ وحدت قائم کرنے سے ہمیں معاشی طور پر نقصان ہوگا۔

حل:

معاشی عدم استحکام اور معاشی تفاوت کے خاتمہ کے لئے ضروری ہے کہ مسلم ممالک اور خصوصاً غریب مسلم ممالک کو خود کفالت کی ترغیب دی جائے اور محنت کا درس دیا جائے۔ آپس میں تعاون کی فضا قائم کرنا بھی اس سلسلہ میں معاون ہوگا۔ نظامِ زکوٰۃ کو وسیع پیمانے پر مؤثر بنانے سے بھی معاشی عدم استحکام اور معاشی تفاوت کا خاتمہ ممکن ہے۔ مسلم ممالک کی مشترکہ تجارتی منڈی اور مشترکہ بنک بھی اس سلسلہ میں اہم اقدام ہو سکتے ہیں۔

7. صنعتی بدحالی:

مجموعی لحاظ سے تقریباً تمام مسلم ممالک ہی صنعتی ترقی میں بہت پیچھے ہیں۔ یہ مسئلہ بھی امتِ مسلمہ کے لئے نہایت سنگین ہے۔

حل:

مسلم ممالک کی مشترکہ تجارتی منڈی کا قیام اس سلسلہ میں بہت مفید ہو سکتا ہے۔ آپس کی تجارت سے زرِ مبادلہ کی آپس میں ہی تقسیم ہوگی اور اس سے ہر مسلم ملک صنعت کی طرف توجہ دے گا۔ صنعتی تعلیم کو عام کرنا بھی نہایت ضروری ہے اور صنعت کے شعبہ میں مسلم ممالک کا ایک دوسرے سے تعاون کرنا بھی ضروری ہے۔

8. سائنسی زوال:

ایک دور میں سائنسی علوم میں مسلمان غیر مسلم دنیا کے پیشوا رہے ہیں اور ان کے سائنسی کارناموں پر دنیا ورطۂ حیرت میں گم تھی لیکن موجودہ دور میں مسلم ممالک سائنسی دوڑ میں یورپ سے بہت پیچھے چلے گئے ہیں۔

حل:

موجودہ سائنسی زوال کے حل کے لئے ضروری ہے کہ مسلم ممالک میں سائنسی تعلیم کو عام کیا جائے۔ نیز اسلاف کے سائنسی کارناموں کو یاد دلا کر مسلم عوام میں شوق پیدا کیا جائے۔ مسلم ممالک کی مشترکہ سائنسی کمیٹی کا قیام بھی اس سلسلہ میں بہت مفید ثابت ہوگا۔ علاوہ ازیں تمام مسلم ممالک کو یہ بھی چاہیے کہ اپنی عوام کو سائنسی تعلیم اور تجربات کی زیادہ سے زیادہ سہولتیں بہم پہنچائیں۔

9. خانہ جنگی:

مختلف مسلم ممالک کی اندرونی خانہ جنگی اور سیاسی رسہ کشی بھی موجودہ دور میں امت مسلمہ کے لئے ایک بہت بڑا مسئلہ بن چکی ہے۔

حل:

اندرونی خلفشار، خانہ جنگی اور سیاسی رسہ کشی کے خاتمہ کے لئے منفی سیاست کے رجحان کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ جب سیاست مثبت انداز میں ہوگی تو اس قسم کی فضا پیدا نہیں ہوگی۔

10. غیر مسلم معاشرہ کے اثرات:

غیر مسلم معاشرہ کے اہل اسلام پر اثرات کی وجہ سے فحاشی و عریانی کا ایک سیلاب امڈ آیا ہے۔ ہر برے کام میں مغرب کی تقلید کو اسلامی ممالک کی عوام نے شعار بنالیا ہے۔ اس صورتحال کی وجہ سے مذہب سے بیگانگی اور بے راہ روی کا خطرناک رجحان عام ہورہا ہے۔

حل:

مغرب کی اندھی تقلید درحقیقت ایک غلامانہ سوچ کا نتیجہ ہے۔ اس غلامانہ سوچ کو ختم کیا جانا چاہیے اور اسلامی روایات کی ترویج و اشاعت کی جانی چاہیے۔

11. تجدید دین کی غیر دینی کوششیں:

دور جدید میں امت مسلمہ کے لیے ایک بہت بڑا مسئلہ یہ بھی ہے کہ تجدید دین کے نام سے مختلف مجددین پیدا ہورہے ہیں جو اپنی اپنی سوچ کے مطابق دین کی راہیں متعین کررہے ہیں۔ اس طرح سے تجدید دین کے نام سے ہونے والی اکثر کوششیں غیر دینی ہیں اور نئے فتنوں کا موجب ہیں۔

حل:

تجدید دین کی ان غیر دینی کوششوں کے مضر اثرات سے بچنے کے لئے صحیح اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ عوام میں صحیح اسلامی تعلیمات کو اگر اچھی طرح سے متعارف کرادیا جائے تو عوام اس قسم کی غیر دینی کوششوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

www.cssexampoint.com